| شمارہ: ۱۲ | ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۹ء | جلد: ۹۳ |
|---|---|---|

نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

**DARUL ULOOM** Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

# فہرست مضامین



- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

یوں تو یہود و نصاریٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کیا ہے، تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسلام کی بیخ کنی اور قوم مسلم کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کے لیے اپنی طاقت اور بس کی حد تک انھوں نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، تہذیب وثقافت کے ان مدعیوں نے اسلام دشمنی میں نہ صرف یہ کہ اپنی عرفی حیثیت کا پاس ولحاظ نہیں کیا بلکہ انسانی روایات اور آدمیت کی جوہری صفات سے انحراف وگریز میں بھی ننگ وعار محسوس نہیں کی، آغاز اسلام کی تاریخ سے واقف کون نہیں جانتا کہ محسنِ انسانیت، رحمت عالم ﷺ تک کو ''نعوذ باللہ'' قتل کردینے کی انتہائی مذموم بلکہ ملعون سازش سے ان یہودیوں کی تاریخ داغدار ہے۔ عیسائیوں کا حال بھی یہودیوں سے مختلف نہیں ہے انہیں جب بھی مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہوا ہے تو مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا ہے چنانچہ خود عیسائی سیرت نگار جان بیکٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے ''۱۰۹۹ء میں جب عیسائیوں نے یروشلم کو فتح کیا تو ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو تہہ تیغ کردیا'' ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ ''مسجد عمر'' کے صحن میں خون، سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ رہا تھا۔ اسی طرح ۱۴۹۲ء میں جب اسپین میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا تو ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو عیسائی مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا، ان میں سے تقریباً ۳۰ ہزار کو سزائے موت دی گئی اور بارہ ہزار کو زندہ نذر آتش کردیا گیا۔

الغرض اسلام کے خلاف یہودیت وعیسائیت کی جارحانہ روش کا یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں اسلام کے ابتدائی دور سے جاری ہے مگر ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں پیش آمدہ سانحہ کے بعد سے تو ان کی اسلام دشمنی میں گویا ابال آگیا ہے، امریکہ اور اس کے چشم وابرو پر رقصاں یورپ، اسلام اور مسلمانوں کو ہر چہار طرف سے گھیرنے اور ان کے دائرۂ اثر ونفوذ بلکہ صحیح معنوں میں عرصۂ حیات کو تنگ سے تنگ تر کردینے کے لیے ہر طرح کے جائز وناجائز ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں۔ بین

الاقوامی حالات پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرسکتے کہ اس وقت عالم اسلام (انڈونیشیا سے مراکش تک اور اندلس سے یمن تک) کو مغربی طاقتوں نے اپنے آہنی پنجوں سے جکڑ رکھا ہے، مسلم ممالک کو تباہ و برباد اور مسلم عوام کو نیست و نابود کردینے کے لیے یکسر جھوٹے اور من گھڑت الزامات کا سہارا لینے سے بھی یہ ظالم طاقتیں دریغ نہیں کرتیں۔ ۱۱رستمبر ۲۰۰۱ء کے مذکورہ حادثہ کا ذمہ دار بغیر کسی معتبر اور قابل اعتماد ثبوت کے اسامہ بن لادن کو ٹھیرایا گیا۔ امریکہ نے افغانستان کی طالبان حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اسامہ کو اسکے اہم ساتھیوں سمیت امریکہ کے حوالہ کردیں۔ طالبان نے اسکے جواب میں کہا کہ اسامہ پر جرم ثابت ہوجانے پر فوراً افغانستان کے اندر مقدمہ چلایا جائے گا۔ امریکہ نے طالبان کے اس جواب کو مسترد کردیا اور ۴راکتوبر کو شمالی اتحاد کی مدد سے افغانستان پر تاریخ کی بدترین جنگ مسلط کردی گئی جس میں بعض مقامات پر ایسے بم برسائے گئے جس سے میلوں فضا کی آکسیجن ختم ہوجاتی تھی اور انسانوں سمیت ہر ذی روح دم گھٹ کر ختم ہوجاتا تھا، تقریباً تیس ہزار افغانی اس جنگ میں ہلاک ہوئے اور دو مہینے کے اندر اندر افغانستان کو کھنڈر میں تبدیل کردیا گیا، اور اس خالص ظالمانہ اور مسلم دشمنی پر مبنی جنگ کو درست باور کرانے کیلئے اسامہ بن لادن اور اس کی جانب منسوب شہرت یافتہ ''القاعدہ'' کو امن عالم کے حق میں خطرہ بتانے کیلئے یہود نواز مغربی میڈیا کا بے تحاشا استعمال کیا گیا جس کا سلسلہ ایک حد تک تاہنوز جاری ہے، امریکہ اور اس کی زرخرید مغربی میڈیا کے اس پروپیگنڈے کو اگر کسی حد تک صحیح مان لیا جائے کہ اسامہ کی دہشت گردی سے امن عالم کو خطرہ ہے لہٰذا ابقائے امن کے واسطے اس کا خاتمہ ضروری ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جس دہشت گرد کو ختم کرنے کیلئے طالبان کی حکومت کو پامال اور افغانستان کو تہس نہس کردیا گیا وہ آج بھی بقید حیات، اور امن عالم کے ان نام نہاد محافظوں کی گرفت سے یکسر آزاد ہے اور اس مدت میں اسکے ہاتھوں امن عالم کو یا دنیا کے کسی خطہ کے امن کو حقیقتاً اور واقعی طور پر کیا نقصان پہنچا ہے؟ جبکہ اسکے برعکس فلسطینی مسلمانوں کے خلاف اسرائیلی حکومت کی دہشت گردی عالم آشکارا ہے، ماہ و سال کا وہ کونسا دن ہے جس میں نہتے، بے گھر، مظلوم فلسطینیوں کا خون ان انسانی بھیڑیوں کے ہاتھوں نہ بہتا ہو اور بلڈوزروں سے ان کے مکانات زمین بوس نہ کیے جاتے ہوں، اور یہ بات عالمی برادری پر بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ انسانیت کے ساتھ ننگی جارحیت اور کھلی دہشت گردی کا یہ کھیل ''واحد سپر پاور'' کے زعم میں مبتلا طاقت کی سرپرستی ہی میں کھیلا جارہا ہے، طالبان اور اسرائیل کے درمیان معاملات کا اس ہمالیائی فرق کو دیکھ کر ایک غیر جانب دار، انصاف پسند مبصر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ سب کچھ خالص اسلام دشمنی پر ہورہا ہے۔

آخراس بات کی کیا توجیہ کی جائے کہ امریکہ اوراس کے حواریوں کو اسرائیل کے خلاف اقوام متحدہ کی ایک دونہیں ساٹھ تجویزیں نظرنہیں آتیں جن میں سے ایک پر بھی آج تک اسرائیل نے عمل نہیں کیا، مگرعراق کے خلاف اقوام متحدہ کی محض ایک تجویز کی بنیاد پر ترقی کی جانب گامزن عراق کوتباہی وبربادی کی غار میں ڈھکیل دیا گیا، حالات وواقعات سے اشارہ مل رہا ہے کہ اب ان خون آشاموں کی نظرِ بد پاکستان پر ہے۔

''سب تباہی کے ہیں آثار خدا خیر کرے''

اسلام اورقوم مسلم پر، مذہبی انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کی بھپتیاں کسنے والے یہ امریکہ اوراس کے حمایتی مغربی ممالک اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور حقیقت پسندی و حق پرستی کی کچھ بھی رمق اگران کے اندر ہے تو بتائیں کہ مذہبی انتہا پسند، بنیاد پرست، دہشت گرد اورجنونی کون ہے امریکہ اس کی ناجائز پیداوار اسرائیل اوراس کے اتحادی یا عالم اسلام۔

تو میرے حال پریشاں پہ بہت طنز نہ کر
اپنے گیسو تو ذرا دیکھ کہاں تک پہنچے

ہم آخر میں از راہ ہمدردی ان طاقتوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ دنیا کے نقشہ میں قوم مسلم اور مذاہب وملل کی فہرست میں اسلام کوئی ذہنی وفکری مفروضہ نہیں بلکہ ایک واقعی حقیقت ہیں، اورحقائق کوآج تک نہ مٹایا جاسکا ہے اور نہ آئندہ مٹایا جاسکے گا۔ اس لیے اس حقیقت سے آنکھیں چرانے کے بجائے کھلے دل سے اسے تسلیم کرلیں اورٹکراؤ اورآویزش کے بجائے پرامن بقائے باہمی کی راہ ہموار کرنے کی فراخ دلانہ کوشش کریں۔ یہی امن اور سلامتی کا راستہ ہے، اس کے برخلاف اگر مذہبی، سیاسی، معاشرتی اوراقتصادی لحاظ سے قوم مسلم کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی اور دنیا کے نقشے سے انھیں مٹادینے کے منصوبے تیار کیے جائیں گے تو اس سعی لاحاصل سے نہ صرف دنیا کا امن وامان تباہ ہوگا بلکہ خودان کا وجود بھی خطرے سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، اس لیے عالم اسلام اورمغربی دنیا دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ موجودہ ٹکراؤ کی روش کو چھوڑ کر رواداری، بقائے باہمی اور زندہ رہو، زندہ رہنے دو کے منصفانہ اصول کو اختیار کیا جائے، اسی کے ساتھ ہم اہل مغرب کو مخلصانہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ خالی الذہن سیرچشمی وفراخ دلی سے اسلام کا مطالعہ اس کے اصل ماخذ کتاب وسنت سے کریں اس سے اسلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہونگی جس سے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کے مواقع پیدا ہونگے اور باہمی رواداری کی راہیں ہموار ہوں گی۔

میرا پیغامِ محبت ہے جہاں تک پہنچے

۹۳ آل عمران-۱۷۰

# بدیہیات قرآن

حکمتیں اور فائدے (۸/۲)

از: محمد عارف جمیل مبارک پوری
ڈربن، ساؤتھ افریقہ

## ۲- فرمان باری

وآتوا الیتامی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انه کان حوبا کبیرا [نساء/۲]

''اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے، اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ، یہ ہے بڑا وبال''۔

اللہ تعالی نے سابقہ آیت میں، یتیموں کا مال ناحق کھانے کی حرمت بیان فرمائی ہے، اور اس کے تحت کسی بھی طرح سے کھانا داخل ہے، خواہ وہ تنِ تنہا ہو یا کسی اور مال کے ساتھ ملا کر کھانا، اس کے باوصف، اس دوسری شکل کو دوبارہ بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

۱- اس لیے کہ جب اللہ نے کسی کو حلال رزق دیا ہے، اور اس کو یتیموں کے مال سے بے نیاز کر دیا ہے، پھر بھی یتیموں کا مال دیکھ کر اس کے منہ میں لعاب آجائے تو یہ حد درجہ قبیح اور نہایت ہی مذموم ہے۔ یہ جواب زمخشری اور رازی نے بیان کیا ہے۔ (۴۴)

۲- چوں کہ اس وقت کچھ لوگ ایسا ہی کرتے تھے، اس لیے ان کی مذمت کی گئی، اور ان کی تشہیر ہوئی تاکہ وہ اس سے بالکلیہ احتراز کریں۔ یہ جواب زمخشری نے دیا ہے۔ (۴۵)

ابوحیان اس جواب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کا حاصل یہ ہے کہ (الی اموالکم) کی قید، قید احترازی نہیں، بلکہ ان کے فعل کی قباحت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اور تاکہ یہ موجودہ صورتِ واقعہ سے ممانعت ہو۔ اس کی نظیر یہ

فرمانِ باری ہے۔

آضعافا مضاعفة [سورہ آل عمران/۱۳۰]

''کئی حصہ زائد''۔

حالاں کہ سود ہر صورت میں حرام ہے، لیکن چوں کہ اس وقت کئی گنا بڑھا کر لینے کی عادت تھی، اس لیے اس کا ذکر کر دیا گیا۔ (۴۶)

۳۔ ابوحیان کہتے ہیں:

''یتیموں کا مال ناحق کسی بھی طرح کھانا منع ہے، اس کے باوجود (الی اموالکم) کی قید لگانے میں حکمت، اس امر پر تنبیہ ہے کہ ان کے ولی (ذمہ دار) مال دار ہیں۔ گویا یوں کہا گیا کہ اے یتیموں کے اولیاء! تم یتیموں کا مال نہ کھاؤ، جب کہ تم مال دار اور بے نیاز ہو، اس لیے کہ اگر ولی دست نگر ہو تو دستور کے موافق کھا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ قید احترازی ہے؛ کیوں کہ اگر ولی فقیر ہے تو کھا سکتا ہے۔ اور اس صورت میں ممانعت، اس صورت میں منحصر ہوگی، جب کہ ولی مال دار ہو، جیسا کہ فرمانِ باری ہے۔

ومن كان غنيا فليستعفف [نساء/۶]

''اور جو شخص مستغنی ہو، وہ تو اپنے کو بالکل بچائے''۔ (۴۷)

۴۔ یہ تاکید کے لیے ہے۔ ابن عاشور کہتے ہیں:

''(ولا تاكلوا اموالهم الى اموالكم) یہ تیسری ممانعت، یتیموں کا مال لینے اور اس کو اولیاء کے مال کے ساتھ ملانے کی ہے۔ اس طرح اس آیت میں، ایک ''امر'' اور دو ''نہی'' ملتے ہیں: امر تو یہ ہے کہ میراث میں یتیموں کا حصہ نہ روکیں؛ بلکہ انہیں دے دیں۔ پھر حرام مال کمانے کی ممانعت آئی، پھر یتیموں کا سارا یا کچھ مال ہڑپ کرنے کی ممانعت آئی۔ یہ نہی اور امر اخیر، دونوں، امر اول کی تاکید ہیں۔ (۴۸)

ابوسعود بھی تاکید ہی کے قائل ہیں۔ (۴۹)

## ۳۔ فرمانِ باری

ان الذين ياكلون اموال اليتامى ظلما انما ياكلون فى بطونهم نارا و سيصلون سعيرا [نساء/۱۰]

''جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق، وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عن قریب داخل ہوں گے آگ میں''۔

یہ بدیہی بات ہے کہ کھانا پیٹ میں ہی کھایا جاتا ہے، پھراس کی صراحت کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

ا۔اس کی نظیر یہ آیت ہے:

یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم [آل عمران/۱۶۷]

”کہتے ہیں اپنے منہ سے، جونہیں ان کے دل میں“۔

بات منہ سے ہی کہی جاتی ہے، نیز

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور[حج/۴۶]

”بلکہ دل جو سینوں میں ہیں، وہ اندھے ہوجاتے ہیں“۔

دل سینہ میں ہی ہوتا ہے۔ نیز

ولا طائر یطیر بجناحیه [انعام/۳۸]

”اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں“۔

اڑنا بازوؤں سے ہی ہوتا ہے،ان تمام صورتوں میں مقصود، تاکید اور مبالغہ ہے۔ یہ جواب رازی اور آلوسی نے دیا ہے۔(۵۰)

۲۔اس سے مراد پیٹ بھر کے کھانا ہے۔کہا جاتا ہے:اکل فلان فی بطنه ،وفی بعض بطنه (اس نے پیٹ بھر کھایا، یا آدھا پیٹ کھایا)،اس طرح کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے یہ تعبیر عام ہے۔گویا یہ اس پر مبنی ہے کہ ظرفیت کی حقیقت سے احاطہ اور شمول متبادر ہوتا ہے کہ ظرف مظروف سے پر ہوجائے اور کچھ باقی نہ رہے،لہٰذا ”اکل فی البطن“ سے مراد پیٹ بھر کھانا اور ”اکل فی بعض البطن“ سے مراد آدھا پیٹ کھانا ہے۔اس شعر میں یہی مراد ہے:

کلوا فی بعض بطنکم تعفوا فان زمانکم زمـــن خمیص

”آدھا پیٹ کھاؤ،عفت قائم رہے گی،اس لیے تمہارا زمانہ تنگی کا ہے۔

”فی بطونھم“ میں یہ بتانا ہے کہ یہ ناقص ہیں، کھانے کے حد درجہ حریص ہیں،اور پیٹ کی وجہ سے،حرام مال حاصل کرنے کیلئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔کہاں یہ اور کہاں ایک شاعر کا یہ شعر

تراہ خمیص البطن والزاد حاضر (۵۱)

”تم دیکھوگے کہ اس کا پیٹ دبا ہوا ہے، حالاں کہ کھانا موجود ہے“۔

شنفری کا شعر ہے:

وان مدت الأیدی الی الزاد لم أکن بأعجلهم اذ أجشع القوم أعجل

**"اگر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھیں تو بھی میں سب سے آگے نہیں ہوتا، جب کہ لوگوں میں سب سے حریص آدمی کا ہاتھ آگے بڑھ چکا ہوتا ہے۔**

**اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ مال حاصل کرنے کا باعث، پیٹ ہے، جو مال کا سب سے گھٹیا مصرف ہے؛ کیوں کہ اس پر جو بھی صرف ہوگا، بہت جلد ضائع اور اکارت ہو جائے گا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا**

بحسب ابن آدم اکلات یقمن صلبه فان کان لا محالة فثلث لطعامه ،و ثلث لشرابه و ثلث لنفسه. (۵۲)

**"آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں، جن سے اس کی کمر سیدھی رہ سکے، اور اگر ضروری ہی ہے تو پیٹ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے ہو، ایک تہائی پینے کے لیے، اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے"۔**

**یہ جواب ابوحیان، نسفی، زمخشری، بیضاوی، ابوسعود، آلوسی، اور ابن جوزی نے لکھا ہے۔ (۵۳)**

## ۴۔ فرمانِ باری

یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترك وان کانت واحدة فلها النصف ولأبویه لکل وأحد منهما السدس مما ترك ان کان له ولد فان لم یکن له ولد وورثه أبواه فلامه الثلث فان کان له اخوة فلامه السدس من بعد وصیة یوصی بها أو دین آباؤکم وأبناؤکم لا تدرون أیهم أقرب لکم نفعا ، فریضة من الله ان الله کان علیما حکیما[نساء/۱۱]

**"اللہ تم کو حکم کرتا ہے تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے، پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لیے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے، اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لیے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے، اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا، اگر میت کے اولاد ہے، اور اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اس کی ماں کا ہے تہائی پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ، بعد وصیت کے جو کہہ مرا، یا بعد ادائے قرض کے، تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم**

نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ، حصہ مقرر کیا ہوا اللہ کا ہے، بیشک اللہ خبردار ہے حکمت والا''۔

اس آیت میں چند مقامات پر بدیہیات ہیں:

## مقام اول

لفظ ''نساء'' جمع ہے، اور اقل جمع، تین ہے، لہٰذا ''نساء'' دو سے زیادہ ہوگیں۔اس کے باوصف '' فوق اثنتین '' کی قید لگانے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

اول: جو لوگ اقل جمع دو مانتے ہیں، یہ آیت ان کے لیے حجت ہے، اور جو لوگ اقل جمع تین مانتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ آیت کریمہ انما یاکلون فی بطونھم نارا [نساء/۱۰] ''وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔

اسی طرح آیت کریمہ۔

لا تتخذوا الھین اثنین انما ھو الہ واحد [نحل/۵۱]

''دو معبود مت بناؤ''۔

لہٰذا (فوق اثنتین) ''نساء'' کی صفت ہے، اور ''نساء'' موصوف اپنی صفت (فوق اثنتین) کے ساتھ خبر ہے، اس لیے کہ تنہا لفظ ''نساء'' بذاتِ خود خبر کا فائدہ نہیں دیتا، اور یہ صفت تاکید کے لیے ہے، جس سے اس وہم کا ازالہ ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو جمع آیا ہے، اس سے مجازی معنی مراد ہو، کیوں کہ بسا اوقات جمع بول کر، تثنیہ مراد ہوتا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں کہ اس کو '' کان'' کی خبر دوم بھی مان سکتے ہیں۔ یہی رائے نسفی کی بھی ہے۔

لیکن ابوحیان نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ کوئی بات نہیں ہوئی، اس لیے کہ خبر سے، بذاتِ خود اسناد کا فائدہ حاصل ہونا چاہیے، اور یہاں پر اگر (فان کن نساء) پر وقف کیا جائے، تو یہ (ان کان الزیدون رجالا) کی نظیر بن جائے گا، اور یہ کوئی کلام نہیں ہوا۔(۵۴)

آلوسی نے ابوحیان کے اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے کہا کہ اگر (فوق اثنتین) کو (نساء) کی صفت مان لیا جائے، تو یہ محل فائدہ ہے، ابوحیان نے اسی صورت کو واجب قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے اس کو خبر دوم قرار دیا ہے، ابوحیان نے اس کو ناجائز قرار دیا، ان کا گمان ہے کہ اس صورت میں اسناد بے فائدہ ہوجائے گی، حالاں کہ یہ گمان (جیسا کہ آپ جانتے ہیں) بے محل ہے۔(۵۵)

زمخشری کہتے ہیں:

''اگر آپ سوال کریں کہ کیا (کن) اور (کانت) میں جو ضمیریں ہیں، وہ مبہم ہوسکتی ہیں، اور (نساء) اور (واحدۃ) ان کی تفسیر ہوں، جب کہ کان تامہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ کہ میں اس کو مستبعد نہیں سمجھتا''۔

ابوحیان کہتے ہیں:

''مبہم سے مراد یہ ہے کہ یہ ضمیریں کسی ماسبق مفسِر کی طرف نہ لوٹیں؛ بلکہ ان کا مفسِر ان کے بعد جو منصوب آرہا ہے، وہی ہو۔ یہ صورت جس کو زمخشری نے غیر مستبعد قرار دیا ہے، بعید؛ بلکہ قطعاً ممنوع ہے؛ اس لیے کہ کان ان افعال میں سے نہیں، جن کا فاعل ایسی ضمیر ہوسکتی ہے، جس کی تفسیر مابعد ہو؛ بلکہ یہ (نعم)، (بئس)، وہ افعال (جو ان پر محمول ہیں) اور تنازع فعلین کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ نحو میں طے شدہ ہے۔

آلوسی نے اس کی تردید کی ہے۔(۵۶)

۲۔ یہاں پر (فوق) زائد ہے، جیسا کہ اس فرمان باری میں زائد ہے

فاضربوا فوق الاعناق [انفال/۱۲]

''سو تم ان کی گردنوں پر مارو''۔

یہ جواب بغوی نے ذکر کیا ہے۔(۵۷)

ابن عاشور نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''اسماء عدد کے ساتھ آنے والے (فوق) اور مکانِ فعل کے معنی میں آنے والے (فوق) میں زمین آسمان کا فرق ہے''۔

ابوحیان نے بھی اس کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''اس خیال کی تردید کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ اس کا فساد واضح ہے۔(۵۸)

## مقام دوم

سوال یہ ہے کہ (لکل واحد)، (لابویہ) سے بدل ہے، اس ابدال کا فائدہ کیا ہے، جب کہ اس کے بغیر (لابویہ السدس) کہا جاسکتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ابدال میں فائدہ ہے، اس لیے کہ اگر (لابویہ السدس) کہہ دیا جاتا تو اس سے بہ ظاہر یہ سمجھ میں آتا کہ والدین اس سدس میں شریک ہوں گے۔ اور اگر یوں کہا جاتا: (لابویہ السدسان) تو اس سے یہ وہم ہوتا کہ یہ سدس ان دونوں کے درمیان برابر یا فرق

کے ساتھ تقسیم ہوگا۔ ہاں آپ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ پھر یوں کیوں نہ کہہ دیا گیا: (ولکل واحد من ابو یہ السدس) کہ پہلے ابوین کا ذکر کیا گیا پھر اس کے بعد اس کا بدل لایا گیا؟ تو اس کا جواب یہ کہ ابدال اور اجمال کے بعد تفصیل میں تاکید اور تشدید ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ مفسر اور تفسیر کے اجتماع میں دیکھتے ہیں۔ یہاں پر (السدس) مبتداء ہے، اس کی خبر (لابویہ) ہے، اور ان دونوں کے درمیان میں بدل، بیان وتوضیح کے لیے آیا ہے۔ یہ جواب: زمخشری، نسفی، رازی، ابوسعود، بیضاوی، ابوحیان اور آلوسی نے نقل کیا ہے۔ (۵۹)

ابن منیر کا خیال ہے کہ

''اس کو اعرابی لحاظ سے بدل ماننا محل نظر ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں یہ بدل الشی، من الشئ کی قبیل سے ہوگا، جب کہ ان دونوں کا مصداق ایک ہے۔ اور اصل کلام یہ ہوگا: السدس لابویہ، لکل واحد منہما (چھٹاں حصہ اس کے والدین کے لیے ہے، ان میں سے ہر ایک کے لیے)، اور اگر مبدل منہ پر اقتصار کیا جائے، تو دونوں کو ''سدس'' میں شریک کرنا ہوگا، جیسا فرمان باری میں ہے:

فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثاماترک .

''پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لیے ہے دوتہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا۔

اس لحاظ سے وہ اس میں شریک ہیں، اور اگر اول کو کالعدم قرار دے دیا جائے، تو بدل کا تقاضا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے علاحدہ علاحدہ سدس ہو، اور شرکت نہ ہو، اور یہ اس طرح کے بدل کی حقیقت کے مناقض ہے، اس لیے اس سے لازم آتا ہے کہ بدل اور مبدل منہ کا حاصل ایک ہو۔ اس سے تاکید کا فائدہ تو اسی صورت میں حاصل ہوگا کہ دونوں اسم مجموعی طور پر ہوں، اور کوئی زائد مفہوم نہ ہو۔ اور جب ان دونوں میں تباین ثابت ہوگیا تو مذکورہ بدلیت محال ہوگئی۔ اور اس اعراب کی صورت میں یہ بدل تقسیم کی قبیل سے بھی نہیں، ورنہ بدل میں معنی کی زیادتی لازم آئے گی۔ لہذا اس کی صحیح توجیہ (واللہ اعلم) یہی ہوسکتی ہے کہ یہاں پر مبتدا محذوف مقدر مانا جائے، گویا اصل عبارت یوں ہے: ولابویہ الثلث، اور چوں کہ اس میں ابوین کا حصہ اجمالی طور پر مذکور ہے، اس لیے اس کی تفصیل (لکل واحد منہما السدس) سے کردی، اور اس مبتدا کے حذف کا جواز یہ ہے کہ آگے اس کی تفصیل اس پر لامحالہ دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ جب دونوں سدس کے مستحق ہیں تو لازمی طور پر اجتماعی طور پر وہ ثلث کے مستحق ہوں گے''۔

لیکن ابو حیان نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ بدل البعض من الکل ہے، اسی لیے ضمیر لائے ہیں، یہ خیال نہیں ہونا چاہے کہ یہ ''بدل الکل من الکل و ہما لشئ واحد'' کی قبیل سے ہے، اس لیے کہ یہ ترکیب (ابواک یصنعان کذا) جائز ہے، اور (ابواک کل واحد منہما یصنعان کذا) ناجائز ہے؛ بلکہ یہ کہنا ہوگا (یصنع کذا)۔

لیکن ان کا اعتراض اس پر ہے کہ لابویہ کو مبتدا کی خبر مانا گیا ہے، حالاں کہ اس طرح کی مثال میں بدل کو مبتداء کی خبر مانا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس مثال میں ہے۔ حلبی نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ مناقشہ محل نظر ہے، اس لیے کہ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ ابویہ کا محل اعراب کیا ہے؟ تو آپ لامحالہ کہیں گے کہ یہ خبر مقدم ہونے کے لحاظ سے محل رفع میں ہے، لیکن خبریت کی نسبت ''لابویہ'' کے بجائے ''کل واحد'' کی طرف منتقل کر دی گئی۔ اور یہ ترکیب اختیار کی گئی، اور یوں نہیں کہا گیا: (ولکل واحد من ابویہ السدس)، اس لیے کہ پہلی ترکیب میں، اجمال اور اس کے بعد تفصیل آرہی ہے، جو ذہن میں زیادہ اثر انداز ہے، دوسری ترکیب میں یہ چیز نہیں۔ اور یوں بھی نہیں کہا گیا: (لابویہ السدسان) اس لیے کہ پہلی ترکیب میں یہ تصریح ہے کہ ابوین مساوی ہیں، جب کہ دوسری ترکیب میں اس کی تصریح نہیں، اس میں کمی بیشی کا احتمال موجود ہے۔ اور اس کا خلافِ ظاہر ہونا مضر نہیں، اس لیے کہ اس سے عدول کے لیے، یہ نکتہ کافی ہے۔ (۶۰)

## مقام دوم

سوال یہ ہے کہ ''وصیۃ'' کی صفت ''یوصی'' لانے میں کیا حکمت ہے، جب کہ وصیت ہوتی ہی وہی ہے جو وصیت کی جائے؟

اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ وصیۃ کی صفت جملہ ''یوصی بہا'' لائی گئی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس وصیت سے مراد وہ وصیت ہے جو میراث میں شرعی حصوں کی تعیین سے پہلے فرض تھی، جس کا ذکر اس فرمانِ باری میں ہے:

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین، والاقربین بالمعروف. [بقرہ/۱۸۰]

''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے (بہ شرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو) تو والدین اور اقارب کے لیے معقول طور پر کچھ کچھ بتلا جائے''۔

یہ جواب ابن عاشور نے لکھا ہے۔ (۶۱)

۲۔ یہ صفت لانے کا فائدہ، وصیت کی ترغیب دینا، اوراس کی طرف دعوت دینا ہے۔ یہ جواب ابوسعوداور آلوسی نے لکھا ہے۔(۶۲)

۳۔اس کا فائدہ تعمیم ہے، اس لیے کہ وصیت ہوتی ہی وہ ہے جو وصیت کی جائے۔ یہ جواب آلوسی نے لکھا ہے۔(۶۳)

**مقام سوم**

سوال یہ ہے کہ ''دین'' کا ذکر یہاں چار بار آیا ہے، اس تکرار کا کیا فائدہ ہے؟

ابن عاشوراس کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اس (وصیت) کے بعد دین کا ذکر، اس چیز کے تتمہ کے طور پر آیا جس کو میراث پر مقدم کرنا ضروری ہے، پھر سامعین بھی جانتے ہیں کہ دین، وصیت پر مقدم ہے، اس لیے کہ یہ میت کے مال میں، ایک مقدم حق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دین دار صرف اسی مال کا مالک ہے، جو اس پر واجب دین سے زائد ہو، لہٰذا (او دین) کا عطف، ''احتراس'' کے طور پر آیا ہے، اوراسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قید (دین) کو ان آیات میں چار بار ذکر فرمایا۔(۶۴)

**۵۔فرمانِ باری**

واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن أربعة منکم فان شهدوا فأمسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت أو یجعل الله لهن سبیلا[نساء/۱۵]

''اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالے ان کو موت یا مقرر کردے اللہ ان کے لیے کوئی راہ''۔

سوال یہ ہے کہ (توفاہن الموت) کا کیا معنی ہے، جب کہ توفی اور موت ایک معنی میں ہیں، گویا یوں کہا گیا کہ یہاں تک کہ موت ان کو موت دے دے؟

اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

اول: اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں تک کہ موت کے فرشتے ان کو موت دے دیں جیسا کہ اس فرمانِ باری میں ہے:

الذین تتوفاهم الملائکة ظالمی انفسهم [نحل/۲۸]

''جن کی جان فرشتوں نے حالتِ کفر میں قبض کی تھی''۔

نیز

ان الذين توفاهم الملائكة [نساء/۹۷]

''بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں....''۔

نیز

قل يتوفاكم ملك الموت [سجدہ/۱۱]

''آپ فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے''۔

یہ جواب زمخشری نے لکھا ہے۔(۶۵)

دوم: اس کا معنی یہ ہے: یہاں تک کہ موت ان کو گرفت میں لے لے، اور ان کی روحیں وصول کرلے۔ یہ جواب بھی زمخشری نے لکھا ہے۔(۶۶)

## ۶۔فرمان باری

واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا ،واللذان یاتیانها منکم فآذوهما فان تابا و اصلحا فاعرضو عنهما ان الله کاب توابا رحیما [نساء/۱۵۔۱۶]

''اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالے ان کو موت یا مقرر کردے اللہ ان کے لیے کوئی راہ۔اور جو دو مرد کریں تم میں وہ بدکاری تو ان کو ایذ، دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان کا خیال چھوڑ دو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے''۔

پہلی آیت زنا کے بارے میں ہے،اور دوسری آیت بھی زنا کے بارے میں، پھر اس کو مکرر بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

اس کے جواب میں دو اقوال ہیں:

### پہلا قول:

یہ دونوں آیتیں زانیوں کے بارے میں ہیں، رہا یہ کہ اس تکرار کا کیا فائدہ ہے تو اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں:

### پہلی وجہ:

پہلی آیت (واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم) زانی عورتوں کے بارے میں

اور دوسری آیت (واللذان یاتیانها منکم) زانی مردوں کے بارے میں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے عورت کی سزا، گھر میں قید کرنا، اور مرد کی سزا، ایذاء رسانی مقرر فرمائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت زنا میں اس وقت مبتلا ہوتی ہے، جب گھر سے باہر جائے، لیکن اگر اس کو گھر میں بند کر دیا جائے تو اس معصیت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ مرد کو گھر میں بند رکھنا ممکن نہیں، اس لیے کہ اسے اپنے معاشی امور کو دیکھنے، اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے اور اپنے اہل وعیال کی روزی کمانے کے لیے باہر جانے کی ضرورت ہے، اس لیے زانی عورت کی سزا، گھر میں بند رکھنا مقرر کی گئی، اور زانی مرد کی سزا، ایذاء رسانی رکھی گئی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایذاء رسانی کی سزا مرد وعورت دونوں کے لیے مشترک طور پر رکھی گئی، البتہ قید کی سزا خاص عورت کے لیے ہے۔ توبہ کے بعد ایذاء رسانی کی سزا، دونوں سے اٹھالی جاتی ہے، اور قید کی سزا عورت کے لیے باقی رہ جاتی ہے۔ اس آیت کی توجیہ میں یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ وجہ رازی نے نقل کی ہے۔ (۶۷)

**دوسری وجہ:**

سدی کہتے ہیں کہ اس دوسری آیت سے مراد ''بکر'' (غیر شادی شدہ) مرد وعورت ہیں، اور پہلی آیت سے مراد شادی شدہ عورت ہیں۔ (یعنی معنوی لحاظ سے مرد بھی اس حکم میں داخل ہیں) اس صورت میں دونوں آیتوں میں فرق واضح ہے۔ اس تفسیر کی کئی وجوہات ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے (واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم) میں نساء کو ازواج کی طرف منسوب ومضاف فرمایا۔ (۲) اللہ نے ان کو (نساء) فرمایا، اور یہ اسم ''ثیب'' (شادی شدہ عورت) کے زیادہ لائق ہے۔ (۳) ایذاء رسانی، گھر میں قید سے ہلکی سزا ہے، اور ہلکی سزا، شادی شدہ کے لیے نہیں، بلکہ غیر شادی شدہ کے لیے ہوگی۔ یہ وجہ رازی نے نقل کیا ہے۔ (۶۸)

امام طبری نے یہ قول حضرت عطاء اور حسن کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسی کو راجح قرار دیا اور فرمایا:

''(واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم) کی تفسیر میں ان لوگوں کا قول اقرب الی الصواب ہے، جو کہتے ہیں کہ اس سے غیر شادی شدہ مراد ہیں کہ اگر ان سے زنا کا صدور ہو جائے، اور ایک مرد دوسری عورت ہو، اس لیے کہ اگر اس آیت سے مقصود زانی مردوں کا حکم بیان کرنا تھا، جیسا کہ (واللَاتی یاتین الفاحشة من نسائکم) سے زانی عورتوں کا حکم بیان کرنا مقصود ہے، تو اس طرح کہا جاتا: ''والذین یاتونها منکم فآذوھم'' یعنی جو مرد تم میں سے یہ برائی

کریں، ان کو اذیت دو۔

عربوں کا انداز یہی ہے کہ اگر وہ کسی فعل پر وعید یا وعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں تو اہلِ فعل کا نام، جمع یا واحد کے ساتھ لیتے ہیں، اس لیے کہ واحد، جنس پر دلالت کرتا ہے، عرب اس کو تثنیہ کے ساتھ ادا نہیں کرتے، مثلاً وہ کہتے ہیں: الذین یفعلون کذا فلھم کذا (جو یہ کریں، ان کے لیے یہ ہے) یا الذی یفعل کذا فلہ کذا (جو یہ کرے، اس کے لیے یہ ہے)

وہ اس کو یوں نہیں کہیں گے: والذان یفعلان کذافلھما کذا۔ ہاں اگر کوئی ایسا فعل ہو جس کا صدور دو مختلف اشخاص سے ہی ہوسکتا ہے، مثلاً زنا کہ اس کے لیے زانی مرد اور زانی عورت کا ہونا لازم ہے۔ تو اس صورت میں تثنیہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے مراد، فاعل اور مفعول بہ ہوتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ فعل تو اس نوعیت کا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اکیلا اس کو انجام دے سکتا ہے، یا فعل ایسا ہے کہ وہ دونوں اس میں مشترک نہیں، پھر بھی اس کے لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال کریں۔ یہ انداز عرب کے کلام میں نہیں ملتا۔

جب یہ ضابطہ ہے تو یہ واضح ہوگیا کہ جو لوگ (واللذان یاتیانھا منکم) سے مراد، دو مرد لیتے ہیں، غلط ہے، اور جو لوگ اس سے مراد، مرد و عورت لیتے ہیں، وہی صحیح ہے۔ لہٰذا یہ معلوم ہوگیا کہ (واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم) میں جن عوتورں کے احکام بیان کیے گئے ہیں وہ الگ ہیں اور (واللذان یاتیانھا منکم) میں جن کے احکام بیان کیے جارہے ہیں، یہ الگ ہیں، اس لیے کہ (واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم) جمع ہیں، اور یہ (واللذان یاتیانھا منکم) دو ہیں۔

لہٰذا یہ معلوم ہے کہ گھر میں قید، شادی شدہ عورتوں کی سزا تھی (جب تک کہ اللہ تعالی نے ان کے لیے موت سے پہلے، کوئی راہ مقرر نہ کردی تھی)، اس لیے کہ یہ ایذاء رسانی (یعنی زبانی زجر و توبیخ کی جائے، یا عار دلایا جائے) سے زیادہ سخت ہے، جیسا کہ ان (شادی شدہ عورتوں) کے لیے جو سنگ ساری کی سزا مقرر کی گئی وہ غیر شادی شدہ عورت کے لیے مقرر کی جانے والی راہ (سو کوڑے اور شہر بدر کی سزا) کے مقابلہ میں سخت ہے۔ (۶۹)

قرطبی کہتے ہیں کہ ابن عطیہ نے کہا کہ معنوی لحاظ سے یہ قول مکمل ہے، لیکن آیت کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے، طبری نے اس کو راجح قرار دیا ہے، جب کہ نحاس نے کہا کہ مونث کو مذکر پر غالب کرنا بعید ہے۔ اس لیے کہ اگر حقیقی معنی درست ہو تو مجازی معنی کی طرف نہیں جاتے۔ ایک قول ہے کہ قید کی سزا زانیہ عورت کے لیے تھی، زانی مرد کے لیے نہیں تھی۔ اس لیے قید کی سزا

میں صرف عورت کا ذکر کیا گیا، اور ایذاء کی سزا میں دونوں کا بیان ہوا۔ قتادہ کہتے ہیں: عورت کو گھر میں قید کر دیا جاتا تھا، اور ایذاء کی سزا دونوں کو دی جاتی تھی۔ مرد کو قید نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو دوڑ دھوپ اور کمانے کی ضرورت ہے۔(۷۰)

یہی رائے ابوسعود اور بغوی اور آلوسی کی ہے، البتہ آلوسی کہتے ہیں کہ اس سے آیت میں تکرار تو دور ہو جاتا ہے؛ لیکن شادی شدہ زانی کا حکم، ظاہر نہیں۔(۷۱)

## تیسری وجہ:

حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت، سابقہ آیت سے پہلے نازل ہوئی، تقدیر عبارت یوں ہے: والذان یاتیان الفاحشة من النساء وا لرجال فآذوهما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما (مردوں اور عورتوں میں سے جو دو شخص یہ برائی کر بیٹھیں، ان کو اذیت دو، اور اگر توبہ و اصلاح کرلیں، تو ان سے اعراض کرو) اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: "فامسکوهن فی البیوت" یعنی اگر وہ اس سے توبہ نہ کریں، بلکہ اس قبیح فعل پر اصرار کریں، تو ان عورتوں کو گھر میں قید کر دو یہاں تک ان کے حالات تم کو واضح طور پر معلوم ہو جائیں۔ امام رازی نے یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ قول میرے نزدیک حد درجہ بعید ہے۔ اس لیے کہ اس سے آیتوں کی ترتیب میں خلل آتا ہے۔(۷۲)

## چوتھی وجہ:

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے پہلی آیت میں یہ بیان کیا کہ زنا کے گواہ چار عدد ہونے چاہئیں، اس کے بعد یہ بیان کیا کہ اگر گواہ صرف دو ہوں، تو ان کو اذیت دو، ان کو امام تک معاملہ پہنچانے اور حد قائم کرنے کا خوف دلاؤ، اور اگر امام کے پاس معاملہ لے جانے سے پہلے وہ توبہ کرلیں تو انہیں چھوڑ دو۔ یہ وجہ رازی نے نقل کی ہے۔(۷۳)

## پانچویں وجہ:

فرمان باری (واللاتی یاتین الفاحشة) تمام بدکردار عورتوں کو شامل ہے، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ اور (والذان یاتیانها) دو طرح کے مردوں کا متقاضی ہے۔ اس لیے کہ الذی کا تثنیہ ہے، جو مذکر اسم موصول ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں (واللاتی یاتین الفاحشة) میں مونث اسم موصول لایا گیا ہے۔ اور بلاشبہ (الذان) سے مراد دو قسم کے مرد ہیں: ایک وہ قسم جو شادی شدہ ہیں، اور دوسری قسم وہ جو شادی شدہ نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے (بہ روایت مجاہد)

اس کی یہی تفسیر کی ہے۔اس آیت کی تفسیر میں یہ ایک قابلِ معقول وجہ ہے،اوراس کا معنی صحیح ہوجاتا ہے، نہ اس میں کوئی تداخل رہتا ہے، نہ کوئی تکرار۔ یہ وجہ ابن عاشور نے لکھی ہے،نحاس نے اسی کو اختیار کیا ہے، قرطبی نے اس کو مجاہد وغیرہ سے منسوب کیا اور مستحسن قرار دیا۔(۷۴)

**دوسرا قول:**

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول ابومسلم اصفہانی کا اختیار کردہ ہے کہ (واللاتی یاتین الفاحشة) سے مراد، ہم جنس پرست عورتیں ہیں،اوران کی سزا موت تک قید میں رکھنا ہے۔اور (واللذان یاتیانها منکم) سے مرادلوطی ہیں،اوران کی سزا قولی اور عملی ہے۔سورہ نور میں مذکورہ آیت سے مراد: مردوزن کا زنا ہے۔اوراس کی سزا غیرشادی شدہ ہوں تو کوڑے ہیں،اورشادی شدہ ہوں توسنگ سار کرنا ہے۔ابومسلم نے اس کی تائید میں کئی وجوہات بیان کی ہیں:

**اول:**

(واللاتی یاتین الفاحشة) عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور (واللذان یاتیانها منکم) مردوں کے ساتھ خاص ہے؛اس لیے کہ (واللذان) مذکر کے تثنیہ کے لیے آتا ہے۔ہاں اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ (اللذان) سے مراد، مذکر ومونث ہوں،البتہ مذکر کا لفظ غالب کردیا گیا ہے؟لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس سے پہلے عورتوں کا ذکر علاحدہ نہ آتا۔اور جب عورتوں کا مستقل ذکر کرنے کے بعد (واللذان یاتیانها منکم) فرمایا تو یہ احتمال ختم ہوگیا۔

**دوم:**

اس توجیہ کی صورت میں کسی بھی آیت میں نسخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہرآیت کا حکم باقی اورطے رہتا ہے۔اورآپ نے جوتوجیہ کی ہے، اس میں نسخ ماننا پڑتا ہے،لہذا یہ ہماری توجیہ اولی ہے۔

**سوم:**

آپ کی توجیہ تسلیم کرنے پر (واللاتی یاتین الفاحشة) زنا کے بارے میں ہے،اسی طرح (واللذان یاتیانها منکم) بھی زنا کے بارے میں ہے۔جس کی وجہ سے ایک ہی چیز کا ایک ہی جگہ میں دوبار تکرار لازم آتا ہے،اور یہ قبیح ہے۔ہماری توجیہ کی صورت میں یہ لازم نہیں، لہٰذا ہماری توجیہ اولی ہے۔

**چہارم:**

جولوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت زنا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، انہوں نے (او یجعل اللہ لھن سبیلا) کی تفسیر، سنگ ساری، کوڑے مارنا، اور شہر بدری سے کی ہے۔ اور یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ یہ چیزیں ان کے حق میں نہیں؛ بلکہ ان کے خلاف ہیں، فرمانِ باری ہے:

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت [بقرہ/۲۸۶]

''اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے، جو ارادہ سے کرتا ہے، اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا، جو ارادہ سے کرے''۔

ہمارے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالی ان کے لیے، نکاح کے ذریعہ شہوت پوری کرنے کا راستہ ہموار کردے۔

اس کے بعد ابومسلم نے کہا کہ ہماری توجیہ کے درست ہونے کی دلیل یہ فرمانِ نبوی ہے

اذا اتی الرجل الرجل فھما زانیان، واذااتت المراۃ المراۃ فھما زانیتان (۷۵)

''مرد مرد سے خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں، اور عورت، عورت سے خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں''۔

ابومسلم کے قول کے رد میں کئی طرح سے استدلال کیا گیا ہے:

اول: متقدمین مفسرین میں سے کوئی بھی اس قول کا قائل نہیں ہے، لہذا یہ باطل ہے۔

دوم: حدیث میں ہے کہ

قدجعل اللہ لھن سبیلا: الثیب ترجم والبکر تجلد"۔ (۷۶)

''اللہ تعالی نے ان کے لیے راہ نکال دی: شادی شدہ عورت کو سنگ سار کیا جائے اور غیرشادی شدہ کو کوڑے لگائے جائیں''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت زانیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سوم: اہلِ لوط کے حکم کے بارے میں صحابہ میں اختلاف تھا، لیکن کسی نے اس آیت کو اپنا مستدل نہیں بنایا، اس وقت جب کہ اس مسئلہ میں کسی دلیلِ نص کی سخت ضرورت تھی، اس کے باوصف، ان کا اس کو مستدل نہ بنانا، اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ آیت لواطت کے بارے میں نہیں۔

لیکن ان ردود کا بھی جواب دیا گیا ہے:

اول کا جواب یہ ہے کہ یہ اجماع ناقابلِ تسلیم ہے، اس کے قائل مجاہد ہیں، جو اکابرِ مفسرین

میں آتے ہیں۔اور اصول فقہ میں یہ بات آچکی ہے کہ آیت کی کوئی نئی تاویل مستنبط کرنا،جس کا ذکر متقدمین کے یہاں نہیں ملتا، جائز ہے۔

دوم کا جواب یہ ہے کہ اس سے،قرآن کریم کا،خبر واحد کے ذریعہ نسخ لازم آتا ہے،اور یہ ناجائز ہے۔

سوم کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کا مطلوب یہ تھا کہ کیا لوطی پر''حد'' قائم کی جائے گی یا نہیں؟اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں،مثبت یا منفی اس کی کوئی دلیل نہیں،اسی وجہ سے انہوں نے اس کی طرف رجوع نہیں کیا۔(۷۷)

ابوحیان نے دوسرے قول کو ظاہر قرار دیتے ہوئے کہا:

''ظاہرِ الفاظ ،مجاہد وغیرہ کے قول کے متقاضی ہیں کہ (اللاتی) عورتوں کے ساتھ خاص ہے،اوراس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب داخل ہیں۔اور (واللذ ان) مردوں کے ساتھ خاص ہے،اوراس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب داخل ہیں۔عورتوں کی سزا قید کرنا ہے،اور مردوں کی سزا ایذاء رسانی ہے۔یہ دونوں آیتیں،سورہ نور کی آیت کے ساتھ مل کر زانیوں کی تمام اقسام کو بیان کرتی ہیں۔اس ظاہر کی تائید (من نسائکم )اور(منکم ) کے الفاظ سے ہوتی ہے۔یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ''سحاق''اور''لواط''(ہم جنس پرستی )عربوں یا دور جاہلیت میں معروف نہ تھے۔اس لیے کہ یہ چیز قلت کے ساتھ ان میں موجود تھی۔طرفہ بن عبد کہتا ہے۔

ملك النهار وانت الليل مومسة ماء الرجال على فخذيك كالقرس

ایک رجزیہ اشعار میں ہے:

ياعجبا لساحقات الورس الجاعلات المكس فوق المكس (۷۸)

## ۶۔فرمانِ باری

انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب،فاولئك يتوب الله عليهم و كان الله عليما حكيما [نساء/۱۷]

''توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو ان کی ہے،جو برا کام جہالت سے کرتے ہیں،پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے،تو اللہ ان کو معاف کردیتا ہے،اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے'

سوال یہ ہے کہ ( انما التوبة على الله) کے بعداب ( فاولئك يتوب الله عليهم) کہنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

اول: (انما التوبۃ علی اللہ) میں یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالی پر (استحقاق کے طور پر نہیں؛ بلکہ فضل و کرم، اور احسان کے طور) توبہ قبول کرنا واجب ہے، اور (فاولئک یتوب اللہ علیہم) میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالی ایسا کرے گا۔ یہ جواب: رازی، ابوسعود، اور آلوسی نے ذکر کیا ہے۔(۷۹)

زمخشری کہتے ہیں:

''(انما التوبۃ علی اللہ) میں یہ اطلاع ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ پر ایسے ہی واجب ہے، جیسے کہ بندوں پر بعض نیک کام واجب ہوتے ہیں، اور (فاولئک یتوب اللہ علیہم) میں یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالی، اپنی ذمہ داری کو پورا کرے گا، اور یہ خبر ہے کہ مغفرت لامحالہ ہوگی، جیسا کہ بندے سے واجب کے ایفاء کا وعدہ ہے۔(۸۰)

ابوحیان نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

''زمخشری کا یہ قول، اعتزالی نظریہ پر قائم ہے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عقل کے اعتبار سے اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں، سمع ونقل کے لحاظ سے جن چیزیں کے تعلق سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی پر واجب ہیں، جیسے کفار کا ہمیشہ جہنم میں رہنا، اور شرائط کے ساتھ، کافر کی توبہ قبول کرنا، تو اس کا ہونا یقینی ہے، رہا توبہ قبول کرنا، تو عقلاً اللہ تعالی پر واجب نہیں، جہاں تک سمع ونقل کا تعلق ہے، تو قرآنی آیات اور سنتِ نبویہ کے ظواہر کثرت سے، توبہ قبول کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان سے اس کا قطعی ہونا معلوم ہوتا ہے۔(۸۱)

دوم: (انما التوبۃ علی اللہ) سے مراد یہ ہے کہ توبہ کی ہدایت، رہنمائی اور اس میں تعاون کرنا، اللہ تعالی پر اس شخص کے حق میں واجب ہے، جو جہالت کی بناء پر کوئی گناہ کرے، اور جلد ہی توبہ کرلے، اس پر اصرار نہ کرے، استغفار کرلے۔ اس کے بعد فرمایا: (فاولئک یتوب اللہ علیہم) یعنی جو بندہ اس طرح کا ہے، اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرے گا۔ لہذا اول الذکر سے مراد، توبہ کی توفیق اور موخر الذکر سے مراد، توبہ کی قبولیت ہے۔ یہ جواب رازی اور ابوحیان نے لکھا ہے۔(۸۲)

## ۸۔ فرمانِ باری

ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر أحدھم الموت قال انی تبت الآن ولاالذین یموتون وھم کفار، اولئك اعتدنا لھم عذابا الیما[نساء/۱۷]

’’اور ایسوں کی توبہ نہیں، جو کیے جاتے ہیں برے کام، یہاں تک کہ جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا: میں توبہ کرتا ہوں اب، اور نہ ایسوں کی توبہ، جو کہ مرتے ہیں حالتِ کفر میں، ان کے لیے تو ہم نے تیار کیا ہے، عذاب دردناک‘‘۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے یہ بیان فرمایا کہ موت کی علامات ومقدمات سامنے آنے کے وقت توبہ کرنے والے کی توبہ قبول نہیں، تو یہ بدیہی بات ہے کہ موت کے بعد توبہ قبول نہیں، اب اس کے بعد (ولا الذین یموتون) کہنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

اول: یعنی جن کی موت قریب ہوگئی، اوراس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قربِ موت کے وقت معاصی سے توبہ قبول نہیں، اسی طرح قربِ موت کے وقت، ایمان بھی قبول نہیں۔ یہ جواب رازی نے بیان کیا ہے۔(۸۳)

دوم: مراد یہ ہے کہ اگر کفار حالتِ کفر میں مرجائیں، اور قیامت کے دن توبہ کریں، تو ان کی توبہ قبول نہیں۔ یہ جواب بھی رازی نے بیان کیا ہے۔(۸۴)

## حواشی

(۴۴) زمخشری تفسیرِ آیت؛ رازی ۴۴/۵۔ (۴۵) زمخشری تفسیرِ آیت۔

(۴۶) ابوحیان تفسیرِ آیت۔ (۴۷) ابوحیان تفسیرِ آیت۔

(۴۸) ابن عاشور ۳۱۸/۳۔ (۴۹) ابوسعود ۱۴۴/۲۔

(۵۰) رازی ۵۰۶/۹؛ آلوسی ۲۱۴/۴۔

(۵۱) درید بن صمہ نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں کہا تھا، اس کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔

عتید، ویغدو فی القمیص المقدد

’’موجود ہے، لیکن شکستہ کرتے میں زندگی گزارتا ہے۔

(۵۲) ترمذی کتاب الزھدباب کراھیة کثرة الاکل ۴۶/۷ [۲۴۲۰]، یہ حدیث حسن صحیح ہے؛ مسندِ احمد [۱۶۸۵۹]؛ صحیح ابن حبان ۳۳/۵ [۵۱۳۰]

(۵۳) ابوحیان تفسیرِ آیت، نسفی تفسیرِ آیت، زمخشری تفسیرِ آیت، بیضاوی ۱۵۰/۲، ابوسعود ۵۰/۲، آلوسی ۲۲۴/۴، ابن جوزی تفسیرِ آیت۔

(۵۴) زمخشری تفسیرِ آیت؛ ابوحیان تفسیرِ آیت؛؛ نسفی تفسیرِ آیت۔

(۵۵) آلوسی ۴۵۲/۳۔

(۵۶) زمخشری تفسیرِ آیت؛ ابوحیان تفسیرِ آیت؛ آلوسی ۴۵۲/۳۔

(۵۷) بغوی تفسیر آیت۔
(۵۸) ابن عاشور تفسیر آیت؛ ابوحیان تفسیر آیت۔
(۵۹) زمخشری تفسیر آیت، نسفی تفسیر آیت، رازی تفسیر آیت، ابوسعود تفسیر آیت، بیضاوی ۱۵۱/۲، ابوحیان تفسیر آیت؛ آلوسی ۲۲۷/۴۔
(۶۰) آلوسی ۲۲۷/۴۔
(۶۱) ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۶۲) ابوسعود ۱۵۰/۲؛ آلوسی ۲۳۴/۴۔
(۶۳) آلوسی ۲۳۴/۴۔
(۶۴) ابن عاشور ۲۳۴/۴۔
(۶۵) زمخشری تفسیر آیت۔
(۶۶) زمخشری تفسیر آیت۔
(۶۷) رازی تفسیر آیت۔
(۶۸) رازی تفسیر آیت۔
(۶۹) طبری ۲۰۰/۴؛ رازی تفسیر آیت۔
(۷۰) ابن عطیہ تفسیر آیت؛ قرطبی ۱۲۸/۱۰۔
(۷۱) ابوسعود تفسیر آیت؛ بغوی تفسیر آیت؛ آلوسی ۲۳۵/۴
(۷۲) رازی تفسیر آیت۔
(۷۳) رازی تفسیر آیت۔
(۷۴) ابن عاشور تفسیر آیت؛ قرطبی ۸۶/۵؛ ابن کثیر تفسیر آیت۔
(۷۵) شوکانی [نیل الاوطار ۲۸۷/۷] کہتے ہیں کہ بیہقی نے بہ روایت حضرت ابوموسی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرد مرد سے خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں، اور عورت، عورت سے خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں‘‘۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن ہے، جس کو ابوحاتم نے جھوٹا کہا ہے، اور بیہقی نے کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا، اس سند کے ساتھ یہ حدیث منکر ہے‘‘، انتہی۔ ابوالفتح ازدی نے یہ حدیث ’’الضعفاء‘‘ اور طبرانی نے ’’الکبیر‘‘ میں ایک اور سند سے حضرت ابو موسی سے روایت کیا ہے، اس کی سند میں بشر بن مفضل بجلی ہے، جو مجہول ہے۔ ابوداود طیالسی نے اپنی ’’مسند‘‘ میں یہ حدیث، ان سے روایت کی ہے۔
(۷۶) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی، البتہ مسلم [کتاب الحدود باب حدالزانی ۱۳۱۶/۳ [۱۶۹۰]] نے ان الفاظ کے ساتھ بہ روایت عبادہ بن صامت نقل کیا ہے: (خذوا عنی، خذوا عنی، قد جعل الله لهن سبيلا: البكر بالبكر جلد مئة ونفی سنة، والثيب بالثيب جلد مئة والرجم)
(۷۷) رازی تفسیر آیت۔
(۷۸) ابوحیان تفسیر آیت۔
(۷۹) رازی، ابوسعود، اور آلوسی۔
(۸۰) زمخشری تفسیر آیت۔
(۸۱) ابوحیان تفسیر آیت۔
(۸۲) رازی تفسیر آیت؛ ابوحیان تفسیر آیت۔
(۸۳) رازی تفسیر آیت۔
(۸۴) رازی تفسیر آیت۔

❁ ❁ ❁

# عیسائی مشنریز کی تباہ کاریاں

(۱)

از:　　مفتی ابرار متین بیگ قاسمی
بنگلور

علم، ہنر اور مزدوری یہ تینوں ایسی چیزیں ہیں جن کی علیحدہ علیحدہ حیثیت ہے نظام کائنات یا یہ کہ انسانی ضروریات کے دنیا کے نظام میں ان تینوں چیزوں کی بڑی ہی اہمیت اور ایک ناگزیر ضرورت ہے نہ کوئی شخص علم کی ضرورت اور اس کی افادیت کا انکار کرسکتا ہے اور نہ کوئی شخص ہنر مندی اور مزدوری والے پیشہ کا اور اس کی اہمیت کا انکار کرسکتا ہے ہر ایک کی اپنی اپنی جگہ مختلف مواقع اور مختلف اوقات میں بڑی اہمیت وضرورت ہے۔

علم، ہنر اور مزدوری میں بھی ضرورت، اہمیت اور فوقیت کے اعتبار سے ترتیب وار سب سے پہلے نمبر پر علم کی ضرورت درکار ہے پھر ہنر مندی اور اس کے بعد پیشہ کی اور یہ علم کی فوقیت، اہمیت اور ضرورت کے اعتبار سے اس شخص پر ہمیشہ برقرار رہے گی جو علم والی کیفیت سے ناآشنا اور محروم ہو، ہاں! کوئی ذات اور شخصیت ایسی ہو جو ہنر مندی اور مزدوری والے پیشہ کے علاوہ وہ علم والی عالی صفت سے بھی آراستہ وپیراستہ ہو تو وہ شخص اب ہنر مندی اور پیشہ گری کی وجہ سے چھوٹا نہیں ہوسکتا اور فی نفسہٖ فقط ہنر مندی اور فقط مزدوری والی کیفیت بھی بری اور حقیر نگاہ سے نہیں دیکھی جاسکتی، اس لئے کہ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا کامل ومکمل مذہب ہے جس نے ہر طبقہ والوں کو عزت وتوقیر کی صفت سے ایک الگ طرح کا اعزاز بخشا ہے اگر کوئی طبقہ حرفت وصنعت کا حامل ہے تو اسے بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اسی طرح اگر کوئی طبقہ مزدوری والے پیشہ سے تعلق رکھتا ہے تو اسے بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے وہ اس لئے کہ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے سبھی نے علم والی اعلیٰ صفت سے مزین ہونے کے بعد دنیا کے گزر بسر یا کوئی اور غرض سے حرفت وصنعت کو بھی اختیار کیا ہے اور مزدوری والے پیشہ کو بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرفت وصنعت میں لوہے کی ''زرہ'' بنانے کا کام انجام دیا اور حضرت ابراہیم

اورحضرت اسماعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے مزدوری کے غرض سے نہ سہی اعلاء کلمۃ اللہ اوراحیاء اسلام کے لئے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی اوراسی طرح حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اورخود سیدالانبیاء خاتم الانبیاء محمدعربی صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم نے بکریوں کو ہانکنے اورتجارت والا پیشہ انجام دیا۔ لہٰذا نہ تو حرفت وصنعت والا معاشرہ کے اندر کم نگہی سے دیکھا جاسکتا ہے اور نہ مزدوری پیشہ والا بے وقعتی اور بے اہمیتی سے دیکھا جاسکتا ہے ان سب حقیقتوں کے باوجود علم والے کی خاص طور پرعلم دین اورعلم شریعت رکھنے والوں کی ایک علیحدہ اہمیت ہے اوراللہ کی جانب سے عطاکردہ خاص نعمت کی وجہ سے فوقیت بھی حاصل ہے جوحرفت وصنعت اورمزدوری پیشہ والے کوحاصل نہیں جس کے ماننے میں کسی کوکسی طرح کا تردد وتامل نہیں ہونا چاہئے۔ (ذلك فضل الله يعطيه من يشاء) یہ اللہ کا (خاص) فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

## دنیوی ودینی تعلیم کی تقسیم

یہ بات تو واضح ہے کہ حقیقی علم تو وہی ہے جوایک انسان کواپنے حقیقی خالق ومالک سے روشناس کرادے اوراسے زندگی کے حقیقی مقصد سے جوڑ دے اللہ کی پہچان کرانے کے لئے اور زندگی کے مقصد سے روشناس کرانے کے لئے علم شریعت درکار ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم شریعت کے علاوہ مختلف دنیوی علوم کوبھی علم کی فہرست میں رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بعض علماء کرام تو یہ کہتے ہیں کہ علم دین علم شریعت کے علاوہ دنیا کے تمام علوم کوعلم کی فہرست میں رکھا نہیں جاسکتا اور بعض علماء کرام یہ کہتے ہیں کہ علم کا اطلاق مطلق طور پر دنیوی علوم پر بھی کیا جاسکتا ہے اور دینی علوم پر بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ جب حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کواللہ کی جانب سے جن اسماء یعنی دنیوی ناموں اوران چیزوں کے خواص وآثار کا علم دیا گیا تھا تواس کا تعلق دینی علم یا شریعت کے علم سے نہیں تھا لہٰذا یہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ علم کا اطلاق جس طرح علم شریعت پر کیا جاسکتا ہے۔ دنیوی علوم پر بھی کیا جاسکتا ہے، جس کی وضاحت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' ا،۲ص:۱۹ میں کی ہے جیسا کہ حضرت خود رقم طراز ہیں کہ (اورعلم دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو (ان کو پیدا کرکے) سب چیزوں کے اسماء (مع ان چیزوں کے خواص (۱) وآثار کے غرض تمام روئے زمین کے اسماء خواص کا علم

(۱) بیان القرآن، ج:۱،ص:۵۱۹۔

دیدیا)۔لہٰذا اس تفسیر کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کے مختلف علوم خواہ اس کا تعلق سیادت وسیاست سے ہو یا فن طب یا فن ریاضی سے یا یہ کہ اس کا تعلق علم منطق یا فلسفہ سے ان سب پر علم کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

## ایک ضروری وضاحت

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ جو شرافت وفضیلت علم دین کے حاصل کرنے والوں کو حاصل ہے وہ دیگر علوم وفنون کے حاصل کرنے والوں کو نہیں ہے کیونکہ حقیقی علم تو وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف وتوصیف اوراس کے احکامات ومنہیات کا تعاون کرائے اور زندگی کے حقیقی مقصد اور نجات ابدی کا سامان فراہم کرے اس کے علاوہ جو علوم وفنون جو صرف عارضی زندگی میں یا عارضی مسائل کو حل کرنے میں معین ومددگار ہوتے ہیں وہ ابدی اور حقیقی زندگی کے سامان فراہم کرنے کے علوم وفنون کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

یہ وہ چند گزارشات تھیں جن کا یہاں ذکر کردینا از حد ضروری معلوم ہوا تاکہ ہر کس وناکس کو علوم وفنون، حرفت وصنعت، مزدوری کا پیشہ دنیوی ودینی علم کی تقسیم اوران کے درمیان فضیلت جیسے موضوعات پر سرسری انداز سے علم ہوجائے تاکہ اس کتاب کے اگلے مضمون کو سمجھنے میں کچھ نہ کچھ معین ومددگار ثابت ہو اور ایک دلی ڈھارس کا سامان مہیا ہو۔

## دینی تعلیم کی ضرورت- تعلیمی جنگ کا آغاز ہوچکا ہے

اس کتاب کا اصل مقصد تو عیسائی مشنری اسکولس کی تعلیم اوراس کے مزاج ومذاق اوراس کی سازشی تربیت اوراس کے اثرات کو بیان کرنا ہے لیکن جب علم کی بات آہی گئی ہے تو مطلق ضرورت تعلیم کے تحت دنیوی تعلیم کی ضرورت کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت کو بھی بیان کردیا جائے تاکہ فی زمانہ مطلق تعلیم کی ضرورت بھی سامنے آجائے۔

یوں تو دینی تعلیم کی ضرورت پر بہت سارے ایسے موضوعات اور ان کے تحت ذیلی موضوعات ہیں جن کے اجمالی تفصیل کی بھی یہاں گنجائش نہیں، ہاں کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا یہاں سرسری انداز میں ذکر کرنا ضروری ہے۔

جہاں اس دنیا کے اندر دنیوی تعلیم اوراس کے صحیح نظام تعلیم کی ضرورت ہے اس سے کہیں

زیادہ دنیوی تعلیم گاہوں میں دینی تعلیم اور دینی نظام تعلیم بھی ازحد ضروری ہے جس سے تعلیمی اوراخلاقی انحطاط کی تیز رفتاری میں کمی واقع ہو، بعض دینی مدارس ومکاتب میں تعلیمی انحطاط تو ضرور ہوسکتا ہے مگر عقائد اسلامیہ کے اعتبار سے یا اخلاقی وروحانی اعتبار سے یا یہ کہ صحیح فکر وصحیح نظر کے اعتبار سے کمی یا انحطاط معلوم نہیں ہوتا اگر کسی ایک مدرسہ یا ایک مکتب میں یا یہ کہ ایک دو طالب علموں میں اس قسم کی کمی ہوسکتی ہے بقیہ مدارس ومکاتب میں اس قسم کی کمی محسوس نہیں ہوسکتی لیکن جب کبھی دنیوی تعلیم گاہوں کی بات آتی ہے تو سب سے پہلے وہاں کے تعلیمی معیار کی Standard کی بات ضرور آتی ہے اور لوگ بھی فقط معیار تعلیم کے علاوہ دوسرے اہم وحساس پہلوؤں کو کبھی جان بوجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں یا کبھی جانے بغیر غفلت کا شکار ہوتے ہیں کیوں کہ بچوں کے یہ سرپرست Parents معیار تعلیم کو ہی سب کچھ جانتے اور مانتے ہیں معیار تعلیم کے علاوہ دوسرے حساس پہلوؤں کو نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں، نہ ماننے کی ادنیٰ سی زحمت گوارہ کرتے ہیں وہ اس لئے کہ معیار تعلیم کا تعلق اپنی ذاتی مفاد وحیثیت سے ہوتا ہے۔ مختصر انداز میں اس کو اس طرح بیان کیا جائے تو کوئی حرج اور کوئی ناانصافی نہیں ہوگی کہ معیار تعلیم کا تعلق صاف صاف انداز میں مادہ پرستی یا مادیت کے رجحان، میلان اور جھکاؤ سے ہوتا ہے وہ اس طور پر کہ اگر لڑکے کی ابتدائی تعلیم اچھی ہوگی تو سیکنڈری Secondry تعلیم بھی اچھی ہوگی، جب سیکنڈری تعلیم اچھی ہوگی تو خود بخود ڈگری کی تعلیم اچھی ہوگی، جب ڈگری کی تعلیم اچھی ہوگی تو اس سے اونچی تعلیم بھی اچھی ہوگی جسے Higher Education کہا جاتا ہے۔

جب اعلیٰ قسم کی تعلیم سے فراغت ہوگئی تو لڑکے اور لڑکے کے والدین کو ایک خاص قسم کی فکر سوار ہوگی کہ دیرینہ محنت اور دیرینہ کدوکاوش کا صلہ کہیں ایسے ہی ضائع نہ ہو بلکہ اعلیٰ تعلیم کے صلہ میں لڑکے کے لئے ایسی نوکری کی تلاش وجستجو رہتی ہے جس سے کہ یہ موٹی رقم ہر ماہ وصول کرسکے، بلکہ سادہ الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ اب والدین لڑکے کو ایسی مرغی سمجھتے ہیں کہ جو ہر روز سونے کا انڈا دے اور اچھی خاصی رقم حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ بہرحال لڑکے کو اس اسٹیج تک پہنچانے کیلئے والدین اور سرپرستوں کو معیار تعلیم کی ضرورت رہتی ہے جسے وہ پورا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب اچھی خاصی نوکری مل جاتی ہے تو لڑکے کے والدین کے حق میں اور ایک کام باقی رہ جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ بھی معیار تعلیم کی رہی سہی پوری قیمت بلکہ Convent کے زمانے سے لے کر اعلیٰ تعلیم کے اختتام تک جتنی رقم خرچ کی جاچکی ہے اسے سود

ہی نہیں بلکہ ''سود در سود'' سمیت وصول کیا جاسکے اور وہ مرحلہ لڑکے کی شادی کا ہوتا ہے جس سے لوگ اپنے لڑکے کی ''دولہا بکتا ہے بولو خریدو گے'' والے نعرے کے تحت بازار میں بولی لگاتے ہیں اور اسے اچھی خاصی رقم کے تحت فروخت بھی کردیتے ہیں۔ الغرض یہ تمام باتیں اچھی نوکری کا ملنا اور اچھی نوکری کے ساتھ اچھی خاصی دودھ دینے والی بھینس کی طرح لڑکی کا ملنا معیار تعلیم پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ تعلیمی میدان کا یہ وہ باب تھا جس کی ہر والد و والدہ فکر کرتی ہیں، مادہ پرستی یا مادیت کی طرف میلان و جھکاؤ کی وجہ سے اس کے ابتدائی تعلیم سے لے کر اختتام تعلیم تک خاص طور پر ابتدائی تعلیم کے زمانے میں بہت سارے ایسے بھیانک و اندوہ ناک موضوعات و مسائل ہیں جن کی طرف والدین کی ادنیٰ سی توجہ بھی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کا لڑکا مادیت کے ریل پیل کے علاوہ نیک صالح معاشرے سے اخلاقی و روحانی ماحول و اثرات سے ایمانی حرارت اور اس کی ضروریات سے مقصد زندگی اور فکر آخرت سے پاکدامنی اور نیک خیالات کے اعتبار سے کوسوں کوس دور رہ جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان مذکورہ اوصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ منفی عادتیں Negative Hobbies یا یہ کہ کچھ ایسے خیالات کا مالک اور اس کا پیرو ہو جاتا ہے جو اسلامی اصولوں، ایمانی تقاضوں سے میل نہیں کھاتے، بلکہ حالت اس قدر خستہ و بگڑی ہوئی ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے مزاج و مذاق، اس کے طور و طریق اور اس کی تعلیمات سے نفور اور بیزارگی کا اظہار کرنے لگتا ہے اور وہ اسے قدامت پرستی Fundamentalism سے تعبیر کرتے ہوئے اسلام کے تاقیامت جاری و ساری ہونے میں رکیک شوشے نکالتا ہے اور اس کے سسٹم (System) کو بوسیدہ قرار دیتا ہے تاکہ یہ پڑھا لکھا نو تعلیم یافتہ مسلم نوجوان جس کے رگ و ریشہ میں ایک مسلمان باپ و ماں کا خون دوڑ رہا ہے اور جس کا نام عبدالرحمٰن یا عبدالرحیم ہے پوری طرح سے پورے جذبہ کے ساتھ عیسائی مزاج و مذاق اور ان کی تہذیب کا یہ وکیل اور رکھوالا بن جائے اور ان کا قولی و عملی ترجمان Ambassidor بن جائے۔

## ماحول کا اثر

جو شخص جس ماحول اور جس چھت کے تلے نشو و نما پاتا ہے، جس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا سونا جس انداز میں ہوتا ہے وہ اسی ماحول کا خوگر حامی اور تابع ہوتا ہے، دنیا کے اندر بہت ہی کم ایسی مثالیں ہیں کہ جن کا ماحول و معاشرہ تو خراب تھا لیکن ان کی پرورش اور ان کا مزاج و

مذاق نیک صالح تھا 99.9% لوگ اور شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا جو ماحول رہتا ہے وہ اسی ماحول کے خوگر اور تابع رہتے ہیں، ایسا دنیا میں کبھی نہیں ہوسکتا کہ سنگلاخ وادیوں اور بنجر زمین میں زعفران، پھل پھلاری کی کاشت کاری ہو بلکہ بنجر زمین اور سنگ لاخ وادیوں میں زہریلے پودے اور خاردار درخت ہی پیدا ہوسکتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ ایسی گھاس پوس ہوسکتی ہے جسے بے عقل جانور بھی چرنا پسند نہیں کرتے۔

آج ہمارا ماحول بھی بعینہٖ ایسا ہی ہوتا جارہا ہے کہ ہم اور ہمارا معاشرہ اور ہماری اولاد نیک صالح، وفا شعار دین کے حامی و پاسبان بنیں لیکن ہم اس صالحیت و وفا شعاری اور دین کی محبت وحمیت پیدا کرنے کیلئے ایک نہیں دو نہیں بلکہ ایسے بہت سارے برے ماحول اور معاشرہ کو ترجیح دیں جہاں اسلام سوزی، ایمان سوزی، اخلاق سوزی، تہذیب سوزی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم زمین کے اندر خاردار درخت کے بیج اس نیت سے بو رہے ہیں کہ ہمیں اس زمین سے ایسے ہرے بھرے درخت یا ایسے خوشگوار اور خوش ذائقہ پھل پھول ملیں جو جسم وروح کو تسکین وفرحت بخشیں۔ حالانکہ یہ نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہوسکے گا۔

## صحبتِ صالح ترا صالح کند

کسی بھی انسان کے معیار کو جانچنے اور جاننے کیلئے اس کے ماحول اور معاشرے کا جانچنا اور جاننا بہت ہی ضروری ہوتا ہے جب تک ہم اس کے ماحول اور معاشرے کو نہیں جانچیں گے اس وقت تک ہم اس کی انسانیت، شرافت، صداقت اور عدالت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اسی طرح ہر انسان ہی نہیں بلکہ ہر خاندان وقبیلہ، ہر قوم و مذہب کے امانت و دیانت، صداقت وعدالت کا اندازہ اس وقت تک نہیں لگا سکتے جب تک کہ اس کے ماضی کی تاریخ پر صحیح نظر کرتے ہوئے عدل کی ترازو سے انصاف نہ کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون رہا ہے کہ ہر قوم کے حق میں اس قوم کے مزاج و مذاق اور طرز معاشرت کے اعتبار سے کچھ مثبت فیصلے بھی کیے تو کچھ منفی فیصلے کیے، صرف فیصلے ہی نہیں کیے بلکہ اچھی قوموں کے صفات بیان فرما کر یہ کہا بلکہ یہ حکم دیا کہ ان کے اخلاق واطوار کو زندگی میں ڈھالو اور بری قوموں کے صفات بیان فرما کر یہ کہا کہ ان کے مزاج و مذاق اور ان کے ساتھ دوستی وغیرہ کرنے سے باز رہو، اس لئے کہ جو آدمی جس طرح کے آدمی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور جس

طرح کے آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ آدمی اسی طرح کے اخلاق پیدا کرتا ہے مثلاً کوئی اچھے آدمی کے ساتھ رہتا اور بستا ہے اور اپنی زندگی اس کے ساتھ گزارتا ہے تو اچھے قسم کے اخلاق واطوار زندگی میں ڈھال لیتا ہے اور برے آدمی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے تو وہ برے آدمی کے اخلاق کو اپنی زندگی کا حصہ بلکہ اسے اپنی طبیعت ثانیہ بنالیتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ (المرء مع من احب) اور (المرء علی دین خلیلہ) یعنی جو آدمی جس آدمی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے وہ آدمی قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔

کسی آدمی کا اچھے خاندان یا نیک خاندان کا ہونا اس آدمی کے اچھے اور برے ہونے سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے نیک ماحول اور نیک معاشرے سے یا برے ماحول اور برے معاشرے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لئے نبی کی بیوی، نبی کا بیٹا اور نبی کا باپ، خاندان نبوت سے تعلق رکھنے کے بعد بھی نہ ایمان والے بن سکے اور نہ نیک عادات واطوار کے حامل بن سکے، اس لئے کہ ان کے ایمان نہ لانے، کفر وشرک میں مبتلا ہونے کا سبب خود ان کا ماحول ومعاشرہ رہا جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کسی خاندان یا قبیلہ کے اچھے ہونے کے لئے اور معیاری اخلاق کا حامل ہونے کے لئے کسی اعلیٰ اور اونچی نسبت کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ اس کے اچھے اخلاق اور صالح معاشرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ دنیا کے اندر بہت سارے خاندان، قبیلے ایسے ہیں جن کی برے معاشرے اور برے معاشرے کے سبب ان کے زمانہ کی بدنامی جانی مانی اور عبرت کے قابل ہے۔ اسی طرح کا کچھ حال دنیا کی بعض اقوام وملل کا ہے جن کی بدبختی یا سعادت کا دارومدار خود ان کی کوئی خاص قومی سعادت وشقاوت پر منحصر نہیں رہی بلکہ ان کی سعادت وشقاوت کے اثرات خود ان کی اپنی جدوجہد یا اپنے ہاتھوں سے پیدا کردہ ماحول ومعاشرے کے اثرات تھے جو ان کیلئے شناخت Identify کا سبب وذریعہ بنے اور ان کی یہ مثبت ومنفی شناخت دنیا میں صدیوں سے آج تک برابر چلی آرہی ہے۔ مثلاً قوم ثمود، قوم عاد، قوم صالح وغیرہ وغیرہ ایسے اقوام ہیں جن کے برے معاشرے کی وجہ سے اور خاص قسم کے برے صفات کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور برے معاشرے کے حامل لوگوں کے ساتھ بعد پند ونصائح کے یعنی ان کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو بار بار انجام دینے کے بعد ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا گیا تاکہ ان کے برے اخلاق وصفات کا اثر اچھے انسان ومسلمان بندوں پر نہ پڑے۔

## سورۂ فاتحہ کے دو اہم سبق

یوں تو پورا قرآن مجید ہی سرچشمہ رشد وہدایت ہے جس کی ہر آیت علم وحکمت سے آراستہ وپیراستہ ہے، جس کی مختلف عبارتیں، سورتیں اور آیات ایک انسان کیلئے مختلف مواقع کے اعتبار سے مختلف النوع سبق عبرت دیتی ہیں تاکہ ایک انسان زندگی کی حقیقت کو پہچان کر حقیقی خالق ومالک کا ایک اچھا بندہ بن جائے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کامیاب وکامران ہوجائے۔ ٹھیک اسی طرح دیگر قرآنی آیات کی طرح سورۂ فاتحہ کی ایک ایسی آیت ہے جس میں ماحول ومعاشرے کے اعتبار سے دو اہم سبق دیئے گئے ہیں گویا کہ یہ ایک ہی سبق ہے جس میں ہر مسلمان کو اس بات کی صرف تاکید ہی نہیں بلکہ یہ یاددہانی کرائی جارہی ہے اور یہ یاددہانی زندگی کے صرف اہم اہم مواقع پر ہی نہیں بلکہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ بار نماز کی حالت وصورت میں پانچ وقت ہی نہیں بلکہ پانچ نمازوں کی ہر ہر رکعت میں یاددہانی کرائی جارہی ہے اور ہم مسلمانوں سے اس بات کی دعا کروائی جارہی ہے کہ ہم صبح وشام یہود ونصاریٰ کی روش اور ان کی ضیغ وضلال والی زندگی سے پناہ مانگیں اور اس سے محفوظ رہنے کی ہمہ وقت خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے رہیں کہ (اے ہمارے پروردگار ہمیں ان لوگوں کے راہ پر نہ چلا جو گمراہ ہوچکے ہیں اور جن پر تیرا غضب نازل ہوا یعنی ''یہود ونصاریٰ'' کی راہ پر۔

قرآن مجید کے سورۂ فاتحہ کی اس ایک آیت میں ماحول ومعاشرے کے اعتبار سے ایسا کامل ومکمل سبق ہے جو زندگی کے بہت سے شعبوں کو محیط ہے۔ مثال کے طور پر ان کے معتقدات، عبادات، معاملات اور معاشرات ان میں کا ہر ایک عنوان ایک مستقل موضوع بحث ہے لیکن کتاب کے موضوع کے اعتبار سے معاشرے کا باب اجمالی تفصیل کو چاہتا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کو دنیا کے تمام مذاہب عالم واقوام عالم کی تہذیب وثقافت اور اس کے اثرات قبول کرنے سے روکا گیا اور اس سے باز رہنے کے لئے پوری شدومد کے ساتھ تاکید کی گئی ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ دو ایسے مذاہب وقوموں کی تہذیب وثقافت کے اختیار کرنے سے روکا گیا جن کی تہذیب وثقافت فطرت انسانی کے صرف مخالف ومتصادم ہی نہیں بلکہ فطرت انسانی کی عین دشمن ہے۔

## یہودیت ونصرانیت فطرت انسانی کی عین دشمن

### (۱) معتقدات کی ایک مثال:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت ونصرانیت فطرت انسانی کی کیسے دشمن، اس کی یہاں

ایک مثال بیان کی جاتی ہے، ہر انسان یہ جانتا ہے کہ وہ دنیا میں آنے سے پہلے معدوم تھا، لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے اسے جس ذات نے وجود بخشا وہ ماں اور باپ ہے اور ہر انسان یہ جانتا ہے کہ ظاہری اسباب کے تحت جو معدوم سے موجود ہوا ہے وہ ماں باپ کے سہارے سے وجود پذیر ہوا ہے اور جو ذات جس ذات سے موجود ہوتی ہے وہ بھی مخلوق اور جس ذات نے ظاہری اعتبار سے اسے جنم دیا وہ بھی مخلوق اور یہ صاف بات ہے کہ جب دونوں بھی مخلوق ہوئے تو ضرور ان کے لئے ایسا خالق ہوگا جو ان کا غیر ہوگا ان جیسا نہیں ہوگا۔ اگر ان جیسا ہوگا تو پھر خالق مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہوگا حالانکہ یہ ضروری امر ہے کہ ہر مخلوق کے لئے کوئی خالق ضرور ہوتا ہے اور وہ ''اللہ'' ہے اب اس فطرت انسانی والے نتیجہ کے بعد نصاریٰ کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قول کے اعتبار سے اللہ کے بیٹے ہیں دوسرے قول کے اعتبار سے اللہ کے ساجھی دار ہیں۔ تیسرے قول کے اعتبار سے وہ اللہ کا علم ہے، جو فطرت انسانی کے عین خلاف ہے اور اسی طرح سے یہود کا یہ کہنا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں یہ بھی فطرت انسانی کی سوچ وسمجھ کے عین مخالف ہے۔ صرف یہ ایک مثال نہیں بلکہ بہت سی ایسی یہودیت ونصرانیت کے معتقدات، عبادات، معاملات اور معاشرت کی مثالیں ہیں جو فطرت انسانی کے عین موافق ہے۔

## (۲) طرز معاشرت کی ایک مثال

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یہود ونصاریٰ کا گڑھا ہوا دین اور اس کے معتقدات فطرت انسانی مخالف ومتصادم ہیں جیسا کہ اوپر کی ایک مثال سے سمجھ میں آیا ٹھیک اسی طرح ان کے طرز معاشرت بھی عقل وخرد اور فطرت انسانی کے مخالف ومعاند ہے۔ یہ بات اجمالی طور پر تفصیل کے بغیر ہر کس وناکس کو معلوم ہے کہ انسان کی دو جنسیں ہیں ایک مرد کی جنسیت، دوسرے عورت کی جنسیت، دونوں کے طرز معاشرت میں بھی نمایاں اور واضح فرق ہے۔ مزاج ومذاق کے اعتبار سے بھی اور جسم کے اعضاء متفرقہ کے اعتبار سے بھی۔ اس فرق کی وجہ سے جو کام مرد کرسکتا ہے وہ عورت نہیں کرسکتی اور جو کام عورت کرسکتی ہے وہ مرد نہیں کرسکتا۔ مثلاً مرد حمل سبب اولاد ہے مگر بچہ جنم نہیں دے سکتا برخلاف عورت کہ جو بچہ جنم دے سکتی ہے مگر حمل ٹھہرا نہیں سکتی۔ ٹھیک اسی طرح مرد بچہ کو دودھ پلا نہیں سکتا مگر عورت بچہ کو دودھ پلا سکتی ہے اور اس کی اچھی طرح بڑی مامتا سے پال پوس کر پرورش کرسکتی ہے مگر مرد اس کام کے انجام دینے سے بے بس اور قاصر ہے اور

ٹھیک اسی طرح ایک ''مرد'' مرد ہونے کے اعتبار سے عورت کے پاس ایک خاص قسم کی محبت وکشش رکھتا ہے جو محبت وکشش عورت میں نہیں پائی جاتی، اسی طرح عورت اپنے جسم کی خاص بناوٹ کی وجہ سے جو محبت وکشش رکھتی ہے وہ مرد نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں عورت جب اپنے خاص قسم کی بناوٹ اور خاص حصوں کو مستور رکھتی ہے یعنی اسے چھپا کر رکھتی ہے تو سامنے والے مرد میں خواہ وہ مرد اس کا شوہر ہو یا غیر شوہر جنسیاتی وہیجانی کیفیت پیدا نہیں ہوتی مگر اس کے برخلاف جب عورت اپنے اعضاء خاص کر سینہ، بال، پیٹ، پیٹھ کو کھول دیتی ہے تو اب خاص قسم کا ہیجان اور کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو عقل کے مطابق بھی ہیں اور فطرت انسانی کے عین موافق بھی اور یہ کیفیت اپنے شوہر کے پاس ہو تو کوئی بات نہیں اگر یہ کیفیت غیر شوہر کے سامنے یا پاس ہو تو بے شمار فتنے وفساد کا سبب ہے۔ لیکن یہود ونصاریٰ نے معاشرت وتہذیب کے باب میں اس کو کچھ الٹا ہی کر دکھایا ہے، یعنی فطرت انسانی تقاضہ کرتی ہے کہ دنیا میں فتنہ وفساد نہ ہو اور فتنہ وفساد کے بہت سارے اسباب ہیں جیسے مال، دولت، عہدہ وجائیداد وغیرہ۔ ٹھیک اسی طرح عورت بھی ایک عظیم فتنہ ہے جبکہ یہ اپنے وظیفہ سے ہٹ کر زندگی بسر کرے، پردے میں رہنے اور پردہ دار کپڑے پہننے کے بجائے بے پردہ ہوکر بے پردہ حیا سوز کپڑے پہنے۔ یہ سب حرکتیں اور یہ مزاج ومذاق وہ ہے جو فطرت انسانی کے عین مخالف ہے لیکن یہود ونصاریٰ کی معاشرت یہ کہتی ہے کہ یہی فطرت ہے۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ کی تہذیب نے فطرت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ کیا کہ مرد والی جنس کو اوپر سے نیچے تک پردہ کرادیا اور اسے شرٹ اور شرٹ پر کوٹ اس طرح پہنادیا کہ نہ اس کا ذرہ برابر پیٹ دکھائی دے، اور نہ پیٹھ، پھر اس شرٹ کی حفاظت کے لئے ایسی ٹائی لگادی کہ وہ شرٹ اوپر کی جانب سے اپنی جگہ سے نہ ہٹ پائے اور ''ان شرٹ'' ایسا کروایا کہ نیچے کی جانب سے بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے، اوپر سے پینٹ اس طرح پہنایا کہ نہ پنڈلیاں نظر آئیں اور نہ ٹخنے نظر آئیں اور اس پر پیر میں اس طرح کے ساکس پہنائے کہ نہ پیر دکھائی دے اور نہ پیر کی انگلیاں نظر آئیں اور اس پیر کے پردے کی حفاظت کے لئے شوز پہنادیئے، پھر اب صرف بال باقی رہ گئے تھے اس پر ایک ہیٹ Hat لگادی تاکہ اس کے بال نظر نہ آئیں اور آنکھ کے پردے کے لئے ایک ایسی کالی عینک لگادی کہ آنکھوں کا بھی مکمل پردہ ہوجائے یعنی مرد کو ناف سے لیکر گھٹنوں کے نیچے کے علاوہ جن اعضاء کے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی ان سب کو چھپا کر عورت کی طرح مکمل پردہ کرادیا، جن اعضا کے کھلے رہنے میں نہ تو کسی مرد یا عورت کو کسی قسم کے سوال کی گنجائش

ہے اور نہ خاص قسم کے ہیجان کے پیدا ہونے کا خوف۔

برخلاف عورت کے سرتا پا تقریباً ننگا کردیا۔ سب سے پہلے عورت کے بدن سے برقع نکال دیا اور اس کے بعد جو اوڑھنی اس کے سر کے بالوں کے پردہ اور حفاظت کا کام انجام دیتی تھی نکال دیا، صرف اوڑھنی ہی نہیں نکالی بلکہ اوڑھنی نکال کر جو بال بندھے رہنے چاہیئے تھے اسے یا تو مکمل طور پر کھول دیا یا نہیں تو ان بالوں کا ایسا اونچا چونڈھا بنایا جو ایک مرد کو مائل کرنے کیلئے کافی ہے، پھر جس اوڑھنی سے گریبان وسینہ ڈھکا ہوا تھا اسے ظاہر کردیا تاکہ فتنہ سامانی میں خوب اضافہ ہو، پھر جو قمیص گھٹنوں کے نیچے تک پہنچتی تھی اسے چھوٹا کرتے کرتے اتنا چھوٹا کردیا کہ وہ ناف کے اتنے اوپر آگئی کہ جس سے بآسانی پیٹ بھی بن سنور کر نظر آئے اور پیٹھ بھی، جس سے ایک شریف پاک دامن آدمی کی نظریں تباہ و برباد ہوجائیں اور قمیص کو اوپر سے اتنا چھوٹا کردیا کہ سینہ کا کچھ حصہ ضرور نظر آئے، یہ تو قمیص کی حالت تھی جسے بلوز، ٹی شرٹ، وغیرہ کی صورت میں ڈھالا گیا۔ عورت کے پائجامہ کو نیچے کی جانب سے اتنا چھوٹا کردیا کہ جس سے پیر اور پیر کی انگلیاں اور پھر پنڈلیاں اور اس کے بعد پھر گھٹنے اور پھر ران تک نظر آنے لگے تاکہ ایک مسلمان کی نظر اس پر پڑے تو ایمان خراب کردے اور ایک غیر مسلمان انسان کے انسانیت کا ناس پیٹ دے۔ غرضیکہ یہود ونصاریٰ کی طرز معاشرت کی ایک ایسی واضح مثال ہے جو فطرت انسانی کے صرف مخالف ہی نہیں بلکہ انسانیت کو فناء کی گھاٹ پر اتارنے کے لئے کافی ہے۔

(باقی آئندہ)

# تنِ حرم میں چھپادی ہے روح بت خانہ

از:　سہیل اختر قاسمی

مرکزی مدرسہ بورڈ کیا درس نظامی کو سبوتاژ اور دینی مدارس کی روح کو مجروح کرنے کی قانونی راہ نہیں؟ یہی سوال قابلِ تشریح ہے، اس بورڈ کی افادیت ومضرت پر مباحثہ زائد از ضرورت ہے البتہ صرف اس کی مضرت کی تعیین اور اس کے ضرر رساں پہلو کا انشراح ہی ایک ضروری امر ہے، دراصل مرکزی مدرسہ بورڈ اس لئے برا نہیں کہ اسے علمائے دین ناپسند کرتے ہیں بلکہ اس لئے ناقابل قبول ہے کہ اس سے دین کے مقتضیات کی اشاعت اور اسلامی فن وتعلیم کے فروغ پر قدغن لگے گی۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت سارے دانشوروں نے ان علماء یا قلم کاروں کا مذاق اڑایا ہے جنھوں نے اپنی تحریر یا تقریر میں اس سنجیدہ مگر پر فریب تجویز کی مخالفت کی، اس پر مستزاد انھوں نے اس مخالفت کو ترقی سے نفرت اور جدیدیت سے شرمندگی سے تعبیر کیا ہے، کچھ نے ”صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں“ کا تلخ نقد بھی کیا ہے، علاوہ ازیں وہ قلم بریدہ حضرات جن کا ستارہ آسمانِ صحافت میں ایک زمانے سے چراغاں ہے وہ بھی اس تجویز کی موافقت میں جائز وناجائز دلائل پیش کرنے سے غافل نہیں رہے۔

دراصل وہ تمام لوگ جو بلا دلیل مخالفت کررہے ہیں یا بلا دلیل موافقت کررہے ہیں سب کے سب راہِ اعتدال سے دور ہیں، دراصل وہ نتیجہ درست ہے جو حالات کے صحیح تر تجزیہ، قانونی صورتِ حال کے منصفانہ مشاہدہ، ذمہ داریوں کی انجام دہی کے تجزیہ اور باریک نکتہ دانی کے بعد سامنے آتا ہے مگر افسوس ایسے نتائج کم ہی سامنے آتے ہیں۔

مرکزی مدرسہ بورڈ کو اعلیٰ عصری تعلیم کا عنوان، علمی ارتقاء کے حصول اور تعلیم و معاشی پسماندگی کے انسداد کا ذریعہ سمجھا جارہا ہے، خصوصاً یہ رائے رکھی جارہی ہے کہ دینی مدارس میں

کمپیوٹر تعلیم اور انگلش ایجوکیشن مرکزی مدرسہ بورڈ کا اصلی ہدف ہے جو کہ تعلیمی پسماندگی اور ایک زمانے سے چلے آرہے معاشی زبوں حالی کے لئے اکسیر ہے۔

حالانکہ دینی مدارس میں اس ٹائپ کی ضروری اور مختصر تعلیم جو بہتر مواد و مضامین پر مشتمل ہو، اس کی نہ کوئی صاحب رائے مخالفت کرتا ہے اور نہ اسے کوئی ذمہ دار ناکارہ بتاتا ہے؛ بلکہ اکثر مدارس انتظامیہ (Madrasa Administration) کمزور فنڈ، متعین اوقات اور محدود شیڈول کے باوجود ایک اچھے انگلش ٹیچر کو بحال کرکے مبتدیات کی تعلیم فراہم کرانے کی کوشش کرتی ہے، جو کہ غیر مرتب ہونے کے باوجود اہم اور سودمند ہوتا ہے، اس کوشش سے ابتدائی قابلیت کا حصول آسان ہوتا ہے البتہ اس فن پر ماہرانہ عبور یا اس سے مکمل ربط ضبط کا نہ ہونا پریشان کن بھی نہیں، یہ نظام بالکل ان مسلم اسکولز (Schools) کے سسٹم سے ہم آہنگ ہے جہاں بنیاد عصری علوم ہے اور لاحقہ کے طور پر اسلامیات کی مختصر تعلیم ہوتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس نظام سے ان کے اندر عصری علوم کے عناصرِ زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، البتہ دینی علوم سے صرف ہلکی پھلکی ہی مناسبت ہو پاتی ہے، مقصد تحریر یہ ہے کہ دینی مدارس میں جاری نصاب تعلیم میں عصری عناصر تعلیم کی آمیزش سے مشینی طور پر انقلاب وتغیر کا جو خواب دیکھا جارہا ہے وہ خوابِ خرگوش ہے، آخر ہم یہ کیوں نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ تخصصات کے شعبہ میں ہرفن مولیٰ ہونے کی تعبیر نہ ملتی ہے اور نہ اس کا امکان ہے، دراصل ہماری قوم کے بعض پڑھے لکھے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ۲ فیصد تعداد جو کہ عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر بھی مستحکم ہوں وہی طبقہ امتِ اسلامیہ کی مسیحائی کرسکتا ہے، انھی کے ہاتھ میں مسلم امت کی ترقی کے ستارے ہیں، وہی قوم کی دیوارِ پسماندگی کو ڈھا سکتا ہے اور اسی کی قوت سے امت، طاقتِ گم شدہ حاصل کرسکتی ہے، اور ظاہر ہے یہ خیال غرورِ نفس اور سراسر دھوکہ ہے، اکثریت کو نظر انداز کرکے اقلیت کی اہمیت کارآمد نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی لیاقت کام آسکتی ہے۔

علاوہ ازیں مرکزی مدرسہ بورڈ کا سایہ، آئندہ چل کر دینی مدارس کے لئے ''آتش فساں'' بن سکتا ہے، اس میں درج قانونی تحفظات کی اوقات اور اس کے کارآمد ہونے کی حیثیت، موجودہ لاقانونیت کی شکار ہمارے عدالتی نظام، حکومتی ساخت اور سماجی اسٹرکچر کے جائزہ کے بعد معلوم ہوسکتی ہے؛ دینی مدارس کا اسے قبول کرنے سے ابار کرنے اور اس کے خلاف احتجاج کرنے کی بنیادی وجہ، دینی مدارس کے مستقبل کا خطرہ میں پڑ جانا ہے، اور یہ اندیشہ حقیقت کا وہ دوسرا پہلو ہے

جسے ہم سچ (True) کہیں تو بہتر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ ایک ایسا زہر ہلاہل ہے، جو بصورت مشروب دیدہ زیب اور خوشنما ہے؛ اور بصورت نتیجہ زہر ہلاہل ہے، مرکزی حکومت کی یہ مسلسل اور پیہم کوشش ہے کہ کسی طرح دینی مدارس اس زہر کو نوش کر لینے پر آمادہ ہو جائیں، لیکن بھلا ہو ان جامعات اور علماء کا جو حکومت کے ناپاک عزائم کے سامنے سدّ راہ بنے بیٹھے ہیں، علماء کی اسی کوشش اور مجاہدہ کی بناء پر ان ناپاک سازشوں پر قدغن لگ رہی ہے، یہ نکتہ خیال میں رہے کہ یہ مخالفت مقدور بھر جدید نظام تعلیم کی شمولیت اور ارتقاء کے انکار پر مشتمل نہیں ہے بلکہ بھارت میں قانونی وحکومتی صورت حال روایتی استخفاف اور قانون کے عدم استحکام کی بناء پر مستقبل میں اس طرح کے امکانات وخطرات ہیں کہ مرکزی حکومت اپنا پینترا بدلے اس ضمن میں خودمختار ریاستوں کے مداخلت کرنے کا اندیشہ زیادہ خطرناک ہے اور یقیناً وہ مداخلت دینی مدارس کے ظاہر وباطن کو نقصان پہنچائے گی، گویا دینی مدارس کی مخالفت اس معنی پر مشتمل نہیں کہ ایک نئی آواز اور جدید نظریہ کی بلا دلیل مخالفت ہو؛ بلکہ اس لئے ہے کہ دین وشریعت کے ادارے اپنی ڈگر سے نہ ہٹیں اور ان اسلامی قلعوں کے مقاصد پر آنچ نہ آئے، اس کے برعکس موجودہ قانونی حالات اس واقعے کی غمازی کر رہی ہیں کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام اپنے مقصدی تناظر میں؛ مدارس کے ان منصوبوں کو خاک میں ملانے کی تگ ودو ہے جس میں ظاہری سطح پر بغرض ریا، خلوص واپنائیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے لیکن حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ امت کو میٹھی چھری سے ذبح کرنے کی سازش ہے۔

یہ خوش آئند ہے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند نے اس مخالفت کو تحریک کی شکل دیدی ہے، اس نے گزشتہ دو سال قبل رابطہ مدارس عربیہ کے زیر سایہ ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کی تھی جس کے عناوین میں مرکزی بورڈ کی مخالفت؛ سرفہرست تھی، مادر علمی کا یہ بروقت اور صحیح بلکہ قائدانہ اقدام تھا، اس کے باوجود فقط یہ کوشش کافی نہیں بلکہ اس نکتہ پر بھی غور کرنا چاہئے ملک میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے مدارس؛ جو فنڈ اور ضرورت کی مار جھیل رہے ہیں، وہ مرکزی مدرسہ بورڈ کی تجویز کے ہمنوا ہیں اور اس میں شمولیت کے لئے پر تول رہے ہیں اس حوالے سے مادر علمی کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مرکزی مدرسہ بورڈ کی تعفن زدہ تابوت پر آخری کیل ٹھونکی جاسکے۔

علاوہ ازیں راقم کو ان دانشوران پر بے پناہ افسوس آتا ہے جو مرکزی مدرسہ بورڈ کے موافقت میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے کے درپے ہیں، آخر وہ کیوں نہیں سمجھتے مذہبی قدریں

انتہائی حسّاس اور آبگینہ کی طرح ہوتی ہیں، دینی مدارس خالص مذہبی اقدار کی محافظت پر مامور ہیں، لہٰذا ان میں تغیر کچھ سوچ سمجھ کر ہی ہوگا، یونہی ایک ہنگامہ اور شور اسے بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتا، آخر اہل مدارس بھی تو اپنا برا بھلا سوچ سکتے ہیں یا وہ اتنی سی سمجھ سے بھی کورے ہیں؟ لہٰذا ہمارے مسلم دانشوروں کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے، اور مدارس کی جانب سے پیش کردہ احساسات کا احترام کرنا چاہئے، کیونکہ یہی وہ مٹھی بھر طبقہ ہے جو مکمّل خلوص اور برداشت سے کار دین انجام دے رہا ہے، اور ہر طرح کے بادِ صرصر کا تحمّل کررہا ہے، ان کے ساتھ ہمارا رویہ انتہائی محترم اور رحمدلانہ ہونا چاہئے، ہمارا یہی رویہ ان کو مزید جدوجہد کے لئے مہمیز کرے گا، لہٰذا ضروری یہ ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کی مخالفت میں اتحاد کا ثبوت دیتے ہوئے اہل مدارس کی ہمنوائی کی جائے۔

اس موقع سے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک دانشور عالمِ دین کا وہ شبہ رقم کردیا جائے جو ہمیں بہت کچھ سوچنے اور فیصلہ لینے کی دعوت دیتا ہے، ''ہمیں مرکزی مدرسہ بورڈ سے اختلاف ہے، مدرسہ بورڈ بعض صوبوں میں موجود ہے اور اس کا ایکٹ بھی میری نگاہ میں ہے ان بورڈوں کے جو اثرات سامنے آئے اور جو تجربات ہوئے وہ بہت تلخ ہیں، لیکن اگر مرکزی مدرسہ بورڈ کے ایکٹ پر گفتگو کی بات ہے، تو پہلے سوچ لیجئے کہ ہمارے وطنِ عزیز میں ''قانون'' کی حکمرانی کس قدر ہے؟ کیا ایکٹ کے مطابق کام ہوتا ہے؟ کیا قانون کے مطابق عمل ہوتا ہے، سچائی یہ ہے کہ ''قانونی حق'' بھی لاقانونی سہاروں کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

الغرض اس تحریر سے یہ نتیجہ جھلکتا ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ جو ابھی صرف جزوی ہدایت کی بات کررہا ہے، وہ آئندہ ایام میں مکمل سیادت وقیادت بھی کرسکتا ہے، اور شاید ملکی حالات، سیاسی فریب کاریاں، مذہبی تفریق کی موجودہ صورتِ حال، اعلیٰ ترین صوبائی وریاستی تعصّبات قطعی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مدارس کی کشتیوں کو مرکزی مدرسہ بورڈ کے بھنور کی نذر کردی جائے، یہ یقیناً چراغِ علم نبوت کیلئے بادِ صرصر ہے جو ان ہزاروں چراغوں کی لووں کو بجھاسکتی ہے، جس کی روشنی میں اسلام زندہ ہے، اور پھیل رہا ہے۔

❁ ❁ ❁

# اردو ادب کے ارتقا میں علمائے دیوبند کا کردار

از: محمد مزمل کھگڑیاوی
متعلّم دارالعلوم دیوبند

## سخن اولیں

دارالعلوم دیوبند کا قیام سرزمین ہند کے لئے باعث صد افتخار ہے، جس نے ہندوستان کی بنجر زمین کو سرسبزی وشادابی عطا کی، چنانچہ اس ادارے نے مسلمانوں کی دینی وقومی روایات کو تحفظ فراہم کرکے، ہر قسم کی آلودگی سے پاک کیا، بدعات وخرافات کی تاریکیوں میں سنت کی مشعلیں روشن کیں، باطل کے مقابلے ہر اعتبار سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہزاروں مجاہد، عالم، مفسر، محدث، متکلم، فقیہ، مقرر، مناظر، حفاظ، قرا، اور صوفیا کے ساتھ ساتھ عظیم شہسوارانِ قلم بھی پیدا کیے، جنھوں نے اپنی قلمی جولانیوں سے طوفانِ تند وتیز کا رخ پھیر دیا، دارالعلوم کی اسی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا انیس الاسلام قاسمی فرماتے ہیں: سوا سو سالہ طویل وقت میں دارالعلوم نے اردو ادب کی ایک وقیع اور پروقار خدمات انجام دی، اس میں شعروشاعری بھی ہے، انشاء ونثر نگاری بھی، تصنیف وتالیف بھی اور خطابت بھی، عربی کتابوں کا ترجمہ بھی، اور ماہانہ وہفتہ وار اخبار ورسائل بھی، مطالعہ بھی اور اشاعت کے انتظامات بھی۔ (۱)

## گلشن ادب پر بہار قاسمی

اس الہامی ادارے کے سپوت نے جہاں ایمانی وروحانی کیفیت میں جلا بخشنے کے لئے عربیت سے اپنا تعلق استوار کیا، وہیں عوام الناس تک پیغام خداوندی پہنچانے اور احیائے اسلام کی غرض سے اردو زبان وادب میں بھی کمال پیدا کیا اور بعضوں نے اسی صحافت وادب کو شعر وسخن کی نیرنگیوں سے ایسی رعنائی بخشی کہ جس سے ان کی تحریر میں غضب کی سحر انگیزی، موجوں کی

روانی، نسیم سحر کی نزاکت، پھولوں کی مہک، کہساروں کی رفعت پیدا ہوگئی اور لوگوں کے ذہن ودماغ پر ایسا مقناطیسی اثر چھوڑا کہ ان کے دل، آپ سے آپ اسلام کی طرف کھینچ آئے۔ تاہم یہاں کا ادب خالص اسلامی رہا ہے، شعرانہ تخیل، کفر وزندقہ، فلسفیانہ موشگافیاں، بے وقت کی راگنی، مہمل داستانِ عشق، افسانہ نگاری، ناول نویسی، لطیفہ گوئی، تذکرۂ بادۂ نوشی، چنچل حسیناؤں کی خرمستیاں اور قاتل اداؤں سے پاک وصاف؛ بلکہ بے گرد وغبار ہے۔ یہاں کا ادب قال اللہ وقال الرسول کے مشک وعنبر سے معطر وروح پرور اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے لبریز ہے، نیز صحابۂ کرام کی قربانی، جدوجہد اور حیرت انگیز واقعات کے انمٹ نقوش، رونق قرطاس بنے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر نواز دیوبندی دارالعلوم کی ادبی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے میں سب سے مؤثر اور پائیدار ذریعہ تحریر ہے، فرزندانِ دارالعلوم نے اس میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے، علمائے دیوبند کا تصنیفی سرمایہ، جو تعداد میں دسیوں ہزار کتابوں پر مشتمل ہے ان کی صلاحیت تحریر کا مظہر ہے، صحافت (ادب) میں علمائے دارالعلوم کے کارناموں سے ایک تاریخ مرتب ہوسکتی ہے۔ (۲)

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب علمائے دیوبند نے قلم اٹھایا تو شہنشاہِ ادب، صاحب تخلیق اور بے مثال انشاء پرداز کی شکل میں نمودار ہوئے، جب ان کی نگاہِ عارفانہ شعر وسخن پر پڑی تو کہنہ مشق شاعر وسخن پرور کہلائے، مگر تاریخ نے انصاف سے کام نہیں لیا اور ان بزرگوں کی بے لوث خدمات کو نظر انداز کردیا۔ آج ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان بزرگوں کی اعلیٰ کارکردگی (جو عصبیت کے تودے میں دب کر رہ گئی ہے) سے نسلِ نو کو آشنا کرائیں۔

## دارالعلوم اور شعر وسخن

شاعری تحریر میں حسنِ ادا، زبان میں سلاست وبرجستگی پیدا کردیتی ہے، اس کی اہمیت کی ادنیٰ سی جھلک علامہ انظر شاہ صاحبؒ کی تحریر میں نظر آتی ہے کہ ''بلاشبہ اسلام میں اس شاعری کی گنجائش نہیں، جس کے ڈانڈے، فحش گوئی، فحاشی، جذبات میں ہیجان انگیزی اور حسن وعشق کے ناروا مراحل کی عکاسی سے ملتے ہوں؛ لیکن اگر واقعی جذبات وخیالات کے حقیقت پسندانہ مضامین کی ترجمانی، شعری لب ولہجہ میں کی جائے تو اسلام اس کا مخالف نہیں۔ (۳)

چنانچہ علمائے دیوبند کی شاعری کا محور، خالص وحقیقی رہا ہے، ان حضرات نے اس فن کو پیشہ

نہیں بنایا، جیسا کہ دنیا کا رواج ہے، بقول مولانا عبداللہ صاحب: ان حضرات (علمائے دیوبند) نے شعر کو اپنا پیشہ یا مخصوص فن نہیں بنایا؛ لیکن شعریت، ذکاوتِ حس اور ذہانتِ فکر کا فطری جوہر ہے، یہ حضرات، جن کو ذہانت وذکاوت کے بھرپور خزانے عطا ہوئے تھے، شعریت سے تہی دامن کس طرح ہوسکتے تھے، چنانچہ غیر اختیاری طور پر ان بزرگوں کی فکر رسا نے خاص خاص حالات اور خاص خاص موقعوں پر قصیدے، نظمیں اور غزلیں موزوں کیں۔(۴) اس کے باوجود ان حضرات نے خود کو کبھی شعراء کی فہرست میں شمار نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ حکیم الاسلامؒ ایک جگہ فرماتے ہیں: نہ میں شاعر ہوں اور نہ شعر گوئی اپنا مشغلہ؛ لیکن جذبات جب ابھر کر منصۂ شہود پر آنے کے متقاضی بن جاتے ہیں تو ان کے لئے فن شاعری نہ شرط ہوتی ہے، نہ وہ اس کے پابند ہوتے ہیں۔(۵) تاہم علمائے دیوبند کی کہی ہوئی نظموں کے بحرِ بیکراں میں غوطہ لگانے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس کے اندر کیسے کیسے بیش بہا لعل وگوہر موجود ہیں۔ چنانچہ مولانا عبداللہ صاحب مزید فرماتے ہیں: مولانا محمد میاں صاحبؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''علمائے حق'' جلد اوّل میں، تعلیمی اور سیاسی ماحول کے لحاظ سے علمائے دیوبند کے چند دور قرار دیئے ہیں، ہم ادبی نقطۂ نظر سے ہر ایک دور پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر ایک دور اپنی آغوش میں اردو کے بہترین ادیب، خطیب اور شاعر لیے ہوئے ہے۔(۶)

مذکورہ سطور میں علمائے دیوبند کے کردار پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، اب علمائے دیوبند کا شعر وادب سے غیر معمولی تعلق اور انفرادیت قدرے تفصیل کے ساتھ حوالۂ قرطاس کیا جارہا ہے۔

## حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ

خدا نے آپ کو ایک بڑے عالم، عظیم داعی اور بے باک مناظر کے ساتھ ساتھ فطری شاعر بھی بنایا تھا، بچپن ہی میں آپ کو یہ دولت ودیعت کردی گئی تھی، جیسا کہ سوانح قاسمی شاہد ہے کہ مولانا لڑکپن ہی سے فطری شاعر تھے، طبع آزمائی اور فکر وسخن سے دلچسپی لیتے تھے، بقول مولانا یعقوب صاحبؒ: (مولانا) اپنے کھیل اور بعض قصے کو نظم فرماتے اور لکھ لیتے۔(۷) مولانا عبداللہ صاحب مزید لکھتے ہیں: خود مولانا مملوک علی صاحبؒ جو آپ کے سرپرست اور استاذ تھے، شعر وسخن پر قدرت رکھتے تھے اور مفتی صدرالدین صاحب آزردہ جن سے آپ نے ادب کی کتابیں پڑھی تھی، وہ غالب کے معاصر اور اردو کے نقاد تھے۔(۸) آپ کے شعروں میں جو گداز وتاثیر ہے

اور جو کیفیت وانشراح ہے وہ قدیم اور کلاسیکی ادبی سرمایہ سے مکمل آگہی کا نتیجہ ہے۔(۹)

## حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ

آپ دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر المدرسین تھے، جہاں آپ جامع العلوم والفنون اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے وہیں اپنے جذبات کو شعروسخن کے زیور سے آراستہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔اسی کی منظرکشی مولانا عبداللہ صاحب کی تحریر سے یوں ہوتی ہے: آپ کو شعروسخن سے بھی لگاؤ تھا؛ بلکہ یوں کہیے ذوق تھا۔(۱۰) آپ کی بیاضِ یعقوبی اسی کی آئینہ دار ہے۔آپ کے اسی سدابہار گلشن سے دو پھول سپردقرطاس کیے جارہے ہیں:

(جس کو نہ سما سکا ہو یہ ارض وسما ۞ اس جائے میں وہ کس طرح سے جائے سما)

نعتِ نبی ﷺ میں بھی آپ کا طویل قصیدہ ہے،جس میں لطافتِ تخیل وسعتِ نظر، واقفیت، سادگی، شیرینی، جدت سب کچھ ہے:

(اسی ذات سے ظاہر ہوا یہ سب عالم ۞ ملا ہے آپ کو اس بزم میں پہلا جام)(۱۱)

## حضرت شیخ الہندؒ

گنجینۂ علم وادب، سیاسی قائد، بے مثل محدث ومفسر، اسیر مالٹا، دوسری تحریک آزادی کے بانی وسربراہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی ذات گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، تفسیر، حدیث، فقہ کے سرمائے میں اردو شاعری کا بھی اچھا ذخیرہ آپ کی یادگار ہے، موزونیت طبع، ذوقِ نظم اور شاعری کا مذاق، زمانہ طالب علمی سے تھا، بلند تخیل، لطیف تغزل، عمیق فلسفہ، جذبات کی صداقت، بیان کی ندرت آپ کے کلام میں جان ڈالتے ہیں۔(۱۲) شعروسخن میں آپ کی شخصیت کسی حذاق شاعر سے کم نہیں، جیسا کہ اسیران مالٹا میں ہے:''(آپ) جب کوئی اعلیٰ درجے کا شعر تالیف فرماتے تو طبقہ علماء تو درکنار حذاق شعراء بھی عش عش کرجاتے تھے۔(۱۳) اسی پر مولانا اسیرادروی صاحب مزید روشنی ڈالتے ہیں کہ''یہ شعروشاعری طبعی مناسبت کی وجہ سے تھی۔(۱۴) اسی طرح اردو میں نثری حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا عبداللہ صاحب یوں گویا ہیں: آپ کی عبارت صاف ستھری اور سلجھی ہوئی ہوتی ہے۔صفائی اور سلاست پر کہیں کہیں صنائع اور بدائع کی رنگینی، دلکشی وشیفتگی پیدا کردیتی ہے۔(۱۵) نثری نمونہ: میں نے پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی

حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گمشدہ متاع کو یہاں پاتا ہوں۔
شعری آئینہ: نور خورشید چمکتا ہے ہر ذرّے میں ❁ چشم بینا ہو تو ہر شئی میں ہے جلوہ تیرا۔(۱۶)

## حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

جہاں لوگ آپ کو شیخ الکل، مجدد ملت، مصلح امت سے جانتے ہیں تو دوسری طرف، آپ عظیم ترین مصنف اور قلمی دنیا کے بے تاج بادشاہ بھی ہیں۔ آپ اصلاح امت کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت تصنیف وتالیف میں منہمک رہتے تھے، چھوٹی بڑی ۸۷۷ کتابیں آپ کے قلم سے نکلیں اور مقبولِ عام وخاص ہوئیں۔(۱۷) آپ کی تمام کتابوں میں ''بیان القرآن'' بوستانِ اردو کی عظیم ادبی شاہکار ہے جس نے مخالفوں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا، جس کی لطف وشیرینی کا اندازہ مطالعہ ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ بقول علامہ کشمیریؒ: (میں) ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ اردو کا دامن علم وتحقیق سے خالی ہے؛ لیکن مولانا تھانویؒ کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی اور اب سمجھتا ہوں کہ اردو بھی بلند پایہ علمی تحقیقات سے بہرہ ور ہے۔(۱۸) مولانا عبداللہ صاحب فرماتے ہیں: آپ کی تحریر میں عالمانہ رنگ اور جابجا ادب کی چاشنی ملتی ہے، مزید فرماتے ہیں: بہر حال تسلیم کرنا ہوگا کہ محسنین اردو ادب میں آپ کا مرتبہ بلند ہے۔(۱۹)

## علامہ انور شاہ کشمیریؒ

آپ بوحنیفۂ وقت اور ثانئ ابن حجر عسقلانی ہیں اور ذہانت و ذکاوت میں ضرب المثل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، اردو کے بہترین شاعر بھی تھے، جس کی منظرکشی علامہ انظر شاہ کشمیریؒ یوں کرتے ہیں: آپ نے پندرہ ہزار شعر کہے ہیں، جن میں سے گیارہ سو پچپن عربی میں ہے۔ علامہ اپنے والد کی شعری داستان یوں بیان کرتے ہیں: معلوم ہے کہ ان کا آبائی وطن کشمیر ہے، جہاں اونچے اونچے کوہسار، شاداب مرغزار، حسین وادیاں، بہتے ہوئے دریا، گرتے ہوئے آبشار، اودے اودے بادلوں کا ہجوم، نرم ونازک نسیم سحر کے جھونکے، وادی میں بکھرا ہوا حسن جمالیاتی ذوق کو، اگر طبیعت موزوں ہے، بے اختیار ڈھلے ڈھلائے اشعار اور حسین ترنم کی راہوں پر ڈال دیتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مرحوم کی موزونئ طبع؛ بلکہ شعری ذوق نے انھیں شاعر بنادیا۔(۲۰) نمونۂ شعر: شاہِ جہاں باز اگر ہمارا ہے ❁ کیا غم ہے جب کہ وہ ہمارا ہے۔(۲۱)

## مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

آپ ایک عالم متبحر اور عربی، اردو کے بہترین ادیب تھے، چنانچہ مولانا عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ: آپ اپنے دور کے اہل قلم میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اس بات کے شاہد دارالعلوم کے دو مجلّے ''القاسم'' اور ''الرشید'' ہیں، جو آپ کی ادارت میں منظر عام پر آتے تھے اور دونوں علمی حلقوں میں مقبول تھے۔ (۲۲) آپ کی علمی اثاثہ میں اشاعتِ اسلام، تعلیمات اسلام، سید المرسلین، لامیۃ المعجزات وغیرہ لافانی یادگار ہیں، آپ کے مجموعۂ مضامین ''اشاعت اسلام'' نے جو مقبولیت پائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ (۲۳) جسے سیر و تاریخ اور تراجم کے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد نہایت سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔ (۲۴)

## علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

یگانہ طرز تحریر اور شاندار ادیب ہونے کے باعث ہندو پاک کی مشہور شخصیت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ نثر میں ایک خاص طرز اور اسلوب کے موجد و مالک تھے، الفاظ اور تراکیب کے حسن اور اندازِ بیان سے عبارت میں ایک مخصوص رنگ جھلکتا ہے، آپ اردو کے ممتاز ادیب اور سحر البیان خطیب تھے۔ (۲۵) آپ کے مناقب میں ایک جگہ ہے کہ آپ بیان میں ہر موقع و محل کے مناسب اور موضوع کے مطابق انداز بیان اختیار کرتے ہیں اور رنگ میں زور اور ہر مقام پر جدت وندرت پیدا کردیتے ہیں۔ (۲۶) آپ کے ادبی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا نور عالم خلیل امینی فرماتے ہیں: آپ زبان وقلم کے شہسوار، ممتاز انشا پرداز تھے اور اردو کے بلند پایہ اور سحر انگیز خطیب بھی تھے۔ (۲۷)

## مفتی شفیع صاحبؒ

آپ مفتی اعظم، مایہ ناز مصنف ہیں، آپ کی سب سے شاہکار تصنیف ''معارف القرآن'' ہے آپ جہاں دیگر علوم وفنون پر پوری دستگاہ رکھتے ہیں وہیں مفتی صاحب کا ادبی ذوق بھی ان کی تحریر سے نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ بقول مولانا عبداللہ صاحب آپ کی فکر رسا نے خاص خاص موقعوں پر آپ کو اشعار کہنے پر مجبور کیا۔ (۲۸) فارسی اور اردو سے خاصی دلچسپی تھی، شعر وشاعری سے

اپنی مجلس کو زعفران زار بنائے رہتے ۔ شستہ وسادہ آسان زبان میں شاعری کرتے، کلام انتہائی معنی خیز، عام فہم، اور مختصر ہوتا تھا، معنی کی فراوانی، الفاظ کی ترسیلی اور بندش مضبوط ہوتی، ترکیب میں سلاست وروانی موجزن ہوتی، ندرت اور البیلے انداز سے معمور پندونصائح، عبرت آموز واقعات و حوادثات کی نشاندہی کلام میں جابجا ملتی ہے، شعروشاعری آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ (۲۹)

## شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ

دارالعلوم دیوبند کے منظرنامے پر ایک ممتاز نام مولانا اعزاز علی امروہوی کا بھی ملتا ہے، ان کا ادب وشاعری سے قدیم واٹوٹ رشتہ ہے، نظم ونثر دونوں میدانوں میں مولانا کی الگ چھاپ اور مضبوط گرفت ہے۔ جہاں انھوں نے نثری جلوہ بکھیرا وہیں نظم وشاعری کے ذریعے اپنی قدآوری کی جوت جگائی ہے، کلام کی رعنائی، حسن کی تازگی، بیان کی شگفتگی، سچائی وآئینہ داری کے ساتھ ساتھ عصری تاثرات، سماجی زندگی میں پیش آنے والے واقعات، معشوقاؤں کی ناز برداریاں، عشق ومحبت کے ڈھکے چھپے احساسات کی سادہ ترجمانی ان کو ایک صاحب طرز فنکار ثابت کرتی ہے۔ (۳۰)

## مولانا نسیم احمد فریدیؒ

دارالعلوم دیوبند نے جن صاحب طرز ادیبوں، ممتاز شاعروں کے ذریعے چمنستان شعرو ادب کی آبیاری کی، ان میں سے ایک تابندہ نام مولانا نسیم احمد فریدیؒ کا بھی لیا جاتا ہے، آپ کے اسلوب نگارش سے ایک شاندار صاحب طرز، منفرد انشاپرداز کا عنوان ملتا ہے، آپ نے کئی درجن کتابوں اور سینکڑوں مضامین کے ذریعے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کیا۔ آپ کے اندر شعرگوئی کی صلاحیت بھی بدرجہا اتم موجود تھی، آپ کے کلام میں مضامین کی فراوانی کے ساتھ ساتھ ندرت کا شاہکار، سادگی وشگفتگی کی ایک پہچان نظر آتی ہے مضبوط بندش، سہل ترکیب، الفاظ کی ساخت وبناوٹ سے کلام کی دوشیزگی میں چارچاند لگ گئے۔ (۳۱)

## حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ

آپ نے شاعری کے تعلق سے فطری ذوق اور موزوں طبیعت پائی تھی، مستند سخنور تھے، حقیقت پسندی کا اظہار واضح انداز میں کرتے۔ آپ کے کلام میں اگر قدامت پسندی کی چھاپ

ہے،تو جدت سے بھی گریز نہیں، زبان میں سلاست وروانی قابل ذکر ہے۔ مولانا سالم صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کی شاعری، شوقِ شاعری کے بجائے واقعات و حادثات پر ذہنی تاثر، حقیقی جزئیات اور تبادر ذہنی پر مبنی ہے۔(۳۲) آپ کی شاعری تصنع کے بجائے سادگی وسلاست اور خلوص وجذبات کی ترجمانی کرتی ہے اور نزاکت خیال کے بجائے متصوفانہ رنگ میں ڈوبی ہوتی ہے۔(۳۳) بقول حضرت مولانا اسلم صاحب: حضرت (حکیم الاسلام) کا صنفِ شعر سے دلچسپی کا سلسلہ زمانہ طالب علمی سے جاری تھا اور اب تک نظموں کا ایک معقول ذخیرہ جمع ہو چکا ہے، جو ''عرفانِ عارف'' کی زینت ہے۔(۳۴) شاعری کی طرح نثری نقوش بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ہندوپاک کے پختہ لکھنے والوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔(۳۵)

## مولانا حامدالانصاری غازیؒ

حامدالانصاری غازی ان مقتدر ادیبوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے مضامین میں سیاسی تدبر وتفکر کا ثبوت دیا اور نہایت مربوط، شائستہ زبان میں عصری واقعات وحالات پر شذرات لکھے۔ان کی تحریروں میں سیاسی شعور کی پختگی اور ان کے سیاسی نظریے اور رویے کا استحکام نظر آتا ہے۔(۳۶) وہ ایک عالم، محقق، ادیب، صحافی، شاعر، انشاپرداز، ہر میدان میں ممتاز تھے،ان کے قلم کی روانی دیدنی تھی۔ غازی صاحب کی جوان، تازہ، دلکش، خوب صورت، فکر انگیز اور نتیجہ خیز تحریروں نے ان کی فکری، ذہنی، علمی، تحقیقی صلاحیتوں کا ہر کسی کو قائل کیا۔ ان کے اندر انداز نگارش، بلنداسلوب، بالغ نظری، عمیق مطالعہ نے ان کو اردو کے بلند پایہ صحافیوں اور قلم کاروں میں لا کھڑا کیا۔(۳۷)

## مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

مولانا اکبرآبادی اپنے دور کی ایک علمی اورادبی شخصیت تھی، ان کی ادبی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نسیم اختر شاہ قیصر فرماتے ہیں: وہ اپنے علمی مقام، انشاء وادب کے کمالات اور تحقیق اور ژرف نگاہی کی انفرادیت کے باوجود اپنی ظاہری وضع قطع، چال اور لباس وغیرہ سے لوگوں کو متاثر نہیں کر پائے۔ ماہنامہ ''برہان'' دہلی کے مدیر کی حیثیت سے ان کے قلمی آبگینوں کو ''نظرات'' کے عنوان سے مدتوں پڑھا اور سلاست وروانی اور فکر وخیال کی وسعت کو محسوس کیا، ان

کی تحریریں اسلوب وادا کے اعتبار سے دل کو بھاتی تھیں۔ ان کے یہاں ادب کی چاشنی، انشار کی بلندی، فکر کی سلامتی اور معلومات کی فراوانی تھی۔ ہر تحریر میں ان کا علم جھلکتا اور ان کے خیالات کی روانی صاف نظر آتی۔ (۳۸)

## مفتی عتیق الرحمٰنؒ

آپ کی اتنی سی تعریف کافی ہے کہ آپ ندوۃ المصنّفین جیسے عظیم ادارے کے بانی ہیں۔ بقول علامہ انظر شاہ صاحب اپنے خاص سلیقہ، قرینہ، بالغ شعور، بھرپور تندہی سے اس ادارے کو وہ حیثیت دی کہ دیوبند اس پر فخر کرسکتا ہے۔ (۳۹) اور دوسری جگہ ہے کہ ''آپ کا فکرِ نازک اور آپ کے انشار پرداز قلم کا نشانہ اردو کی تعمیر میں مصروف رہتا اور جب شعروسخن کا سلسلہ چلتا تو آپ کے برمحل اور برجستہ اشعار سے مجلس باغ وبہار بن جاتی۔ (۴۰) آپ نے بڑی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف کیں اور مولانا ادروی نے فرمایا کہ برہان جیسا معیاری رسالہ اسی ادارے سے نکلتا تھا۔ (۴۱)

## حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

حضرت شیخ الاسلامؒ عظیم خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے قلم کار بھی تھے۔ آپ کے علمی وسیاسی کارناموں پر کافی کچھ لکھا جاچکا ہے؛ لیکن آپ کے ادبی پہلو پر نہ کے برابر لکھا گیا، اس مختصر خاکے میں حضرت مدنی کے طرزِ تحریر، لسانی اسلوب، شعری وادبی ذوق کی ہلکی سی جھلک پیش ہے۔

آپ کی نثر میں سادگی، سلاست وشفافیت بدرجہ اتم موجود ہے، جس پر لکھنے میں قلم برداشتہ؛ لیکن بیان ایسے پیرایے میں کہ مشکل سے مشکل بحث قاری کے فوراً ذہن نشین ہوجائے۔ کبھی کبھی موضوع کے مطابق اشعار بھی لکھتے۔ (۴۲)

## سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

قیمتی تصانیف، بے شمار علمی خدمات، تدریسی خصوصیات، اعتدال فکر، پاکیزگیٔ مذاق علوم حدیث وقرآن اور ان سے متعلقہ مضامین کے علاوہ عصری معلومات اور دورِ حاضر کی علمی تحقیقات کے حوالے سے ان کا مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ (۴۳) آپ کا ادبی کارنامہ ہی آپ کی شخصیت کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ جہاں آپ کی تحریر علوم ومعارف کی آئینہ دار ہے، وہیں

اس میں ادب کے ستھرے ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔(۴۴) آپ کی تحریر میں صحفِ سماوی کا انداز، خطیبوں کا جوش و برجستگی، عشاق کی مستی و وارفتگی، عقل وجذبات کی لطیف آمیزش ہوتی ہے۔(۴۵) آپ قلم کی روانی اور ذہن وفکر کی بلند پروازی میں یگانہ روزگار تھے، جس موضوع اور عنوان پر قلم اٹھاتے، ایسا معلوم ہوتا کہ سمندر ہے، جوش مار رہا ہے۔ مولانا عبدالباریؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: تقریر سے آگے تحریر وتصنیف کو دیکھئے تو گیلانی کا قلم اس میدان میں بھی بڑے بڑے ہم چشموں سے پیچھے نہیں، نہ کمًّا نہ کیفًا۔(۴۶) آپ کی تحریر کے سلسلے میں جناب غلام محمد لکھتے ہیں: (آپ کی) ہر تحریر میں بے ساختگی، زور استدلال اور سوز وگداز کچھ ایسا موجود ہے کہ ربطِ کتاب ٹوٹنے پر بھی کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔(۴۷) مولانا نسیم احمد فریدیؒ ان کے گلشنِ ادب کی جہت بندی اور سحر آفرینی کا اظہار یوں کرتے ہیں: ان کی زبان ''قلعہ معلّٰی''، ''دارالعلوم''، ''عثمانیہ یونیورسٹی'' اور ''صوبہ بہار'' کے علمی گھرانوں کی ملی جلی خصوصیات کی آئینہ دار تھی۔ اردو ادب کو آپ کی انفرادیت نے ایک نئی جہت عطا کی، تحریر کا مخصوص لب ولہجہ خود آپ کا تھا اور اس میں کسی کے پیروکار نہیں بلکہ خود اس کے موجد تھے۔(۴۸) مولانا عبدالماجد دریا آبادی تحریر فرماتے ہیں: (مولانا گیلانی) ایک خاص طرز وانشا کے مالک تھے، اس میں کسی کے مقلد نہیں، خود اس کے موجد تھے۔(۴۹) آپ کا طرز تحریر کئی خصوصیات کا آئینہ دار ہے، بے ساختگی، برجستگی وپختگی، قوت استدلال واستخراج، ایجاز واطناب، استعارات وکنایات اور بہت کچھ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔(۵۰) وضاحتِ عبارت، متانتِ فکر نے آپ کی تحریروں کو ادبی وعلمی دونوں حلقوں میں اعتبار بخشا۔ سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا آبادی، ماہر القادری جیسے سخن فہم، ادب شناس نے ان کی تحریروں میں نئے تموج اور ان کی لفظیات کی جولانی کی ستائش کی ہے اور ان کے طرزِ اظہار کو یکسر مختلف اور منفرد قرار دیا ہے۔(۵۱)

## مولانا امین الرحمٰن عامر عثمانیؒ

دارالعلوم دیوبند نے اپنی ادبی، صحافتی سفر میں لاتعداد افراد پیدا کیے، اسی گلشنِ ادب وصحافت میں ایک شجرِ علم وادب، صحافت ونقد مولانا عامر عثمانیؒ ہیں، جن کی ذات محتاج تعارف نہیں، وہ اپنے وقت کے امام صحافت، بے باک مبصر، لاجواب شاعر اور صحت مند ناقد تھے۔ شعری، ادبی، تحقیقی ذوق فطری تھا، نیز برجستگی، متانت، سنجیدگی ان کو ورثہ میں ملی تھی، زبان وادب

کی ہر صنف پر ان کی گرفت تھی۔ (۵۲) بقول مولانا نسیم اختر شاہ قیصر: عامر عثمانی جتنے اعلیٰ پایے کے ادیب اور قلمکار تھے اتنے ہی بلند فکر کے شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری ایک مستقل موضوع کی حیثیت رکھتی ہے۔ (۵۳)

## مولانا احسان اللہ تاجورؒ

علامہ تاجور برادر قاسمیت کی شعری دنیا کے شہنشاہ ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ سلطان القلم اور ادیب دوراں بھی ہیں، اس کا بخوبی اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی ادارت میں دسیوں رسائل و ماہنامے نکلتے تھے، اور ملت کی دینی، تعلیمی، ادبی، تاریخی، سیاسی گویا ہر پہلو سے تشنگی بجھانے میں ایک مدت تک کام کرتے رہے۔ مولانا عبداللہ صاحب فرماتے ہیں: آپ کی ادبیت اور شعریت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خود حکومت نے آپ کو شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (۵۴)

علامہ تاجور ان چند شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی ادب کے لیے وقف کردی مگر پھر بھی ادبی دنیا کے لیے اجنبی ٹھہرے، تاریخ لکھنے والوں نے بھی انہیں بھلادیا، صرف خاصانِ ادب ہی ان سے واقف ہیں۔ ن، م، راشد، اختر شیرانی، احسان دانش، قیوم نظر، جگن ناتھ آزاد کو کون نہیں جانتا، مگر واقف نہیں تو صرف ان سے جنھوں نے ان لوگوں کو جوہرِ قابل بنایا۔ (۵۵) ان کی ادبی خدمات کو بھلادینا ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔

## مولانا رضوان القاسمیؒ

مولانا رضوان القاسمی کا شمار اردو کے اہم نثر نگاروں میں ہوتا ہے، عربی، فارسی، اردو ادبیات نے ان کی تحریر کو تمکنت، تمازت اور جلالت عطا کی۔ وضاحت فکر، سلاست اظہار نے نثر میں مقناطیسی کیفیت پیدا کی۔ لفظیات تراکیب اور عنوانات کے حسن انتخاب کی وجہ سے ان کی نثر کے شیدائیوں کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ (۵۶)

## مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانیؒ

دیوبند کی ادبی و شعری زندگی میں ایک نام بہت نمایاں رہا ہے، جن کے شعری افکار نے

اعتبار حاصل کیا ہے، وہ نام مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانیؒ کا ہے۔ ان کے اشعار میں شدت احساس، علوئے فکر، خیال آفرینی اور قوتِ اظہار کے ساتھ ساتھ صحنِ میکدہ کا شعور، شیشۂ مئے کی نزاکت اور بادِ صبح کا پیغام موجود ہے۔(۵۷) چنانچہ مولانا عبداللہ عثمانی لکھتے ہیں: ان کی شاعری ہمارے سماج اور ہماری زندگی کی تصویر ہے۔ گہرے تجربے، فکر کی قوت، جذبات کی شدت، شعری نزاکتوں، فنی باریکیوں نے ان کو جدید شعراء کی صف میں لاکھڑا کیا۔(۵۸) مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مزید لکھتے ہیں: ان کے اشعار میں ایک رنگ اور کیفیت ہے، غالب کی زبان میں دل گداختہ رکھتے ہیں، فکر وسخن کے تمام تر تقاضوں، نزاکتوں اور باریکیوں پر ان کی نظر ہے۔(۵۹)

## علامہ انظر شاہ کشمیریؒ

شاہ صاحب کی ذات شجرِ دارالعلوم کی ادبی شاخ کا ایک حسین گل ہے؛ جس نے اپنی خوشبو سے گلستان علم وادب کو مشکبار کردیا۔ آپ کی نثر میں مصطفیٰ کمال کی طرح جذبات کی برانگیختگی کا عنصر بھی ہے، سعد زغلول کی طرح ذہانت اور طلاقت لسانی، لطفی سید کی طرح منطقیت ومعروضیت، کئی اسالیب کا امتزاج، مسجع ومقفی نثر اور ترسیلی قوت سے معمور اور سب سے بڑی خوبی یہ کہ وہ دوسروں کے خرمن کے خوشہ چیں نہیں؛ بلکہ خود تخمی کے قائل ہیں۔ ان کی نثر کا ساختیائی تجزیہ کیا جائے تو یہ پتہ چلے گا کہ نثر میں شعری صنائع کا ہنرمندانہ استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔ تلمیحات، علامات، تجنیس وتعلیل اور دیگر صنائع وبدائع، ان کے لسانی ادراک وعرفان، علومِ بلاغت وبیان پر عبور کے ثبوت ہیں اور مطالعہ کی وسعت کا غماز بھی۔(۶۰)

ان حضرات کے علاوہ بھی علمائے دیوبند ایک طویل فہرست ہے جن کا ذکر قلت صفحات کی بناء پر تفصیلاً ممکن نہیں؛ لیکن اردو ادب کے ارتقاء میں ان کے کردار کو فراموش کردینا کسی جرم عظیم سے کم نہیں، چنانچہ مولانا عبداللہ صاحب نے اپنی کتاب ''علمائے دیوبند اور اردو ادب'' میں مولانا ذوالفقار علی، مولانا احمد صاحبؒ وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی ادبی حیثیت کو اجاگر کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات اپنی گوناگوں علمی، سیاسی مصروفیات کے باوجود اپنے زبان وقلم کے ذریعے بھی امت مرحومہ کی دستگیری ورہنمائی فرماتے تھے۔

اسی طرح مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا محمد میاں صاحبؒ، مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اپنے وقت کے یگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ گلشن ادب کے

خوبصورت، جاذب نظر اور خوشبودار پھول تھے۔ قلت صفحات کے باوجود دور حاضر کے ادبائے دارالعلوم کا ذکر نہ کرنا ان کے حق میں ناانصافی ہوگی، ان ادباء میں؛ جنھوں نے اپنے نوکِ قلم کی روانی و برجستگی سے گیسوئے اردو کو سنوار کر اس کے حسن میں اضافہ کیا، مولانا سالم صاحب قاسمی، مولانا ریاست علی ظفر، مولانا نور عالم خلیل امینی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا کفیل الرحمٰن علوی، مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا ندیم الواجدی، مولانا اسرار الحق قاسمی، علامہ قمر عثمانی، نسیم اختر شاہ قیصر، مولانا شاہین جمالی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی سلمان منصور پوری، مولانا سالم جامعی، مولانا وارث علی مظہر، مولانا انیس الرحمٰن آزاد، مولانا حقانی القاسمی، مولانا نظام الدین اسیر ادروی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

## حرفِ آخر

مختصر یہ کہ نہ صرف اردو ادب کے ارتقاء میں علمائے دیوبند کا کردار رہا ہے، بلکہ اردو کی بقاء اور اس کی لطافت و پاکیزگی، شیرینی و چاشنی، دلکشی و جاذبیت، سحر انگیزی و نزاکت میں بھی انھوں نے اردو کو ایک جہت عطا کی۔ آج ضرورت ہے اردو کے ان بیش بہا لعل و گوہر کو سامنے لانے اور ان کے نام و کام کو اجاگر کرنے کی۔

## حواشی:

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی دارالعلوم نمبر ۲۶/مارچ ۱۹۸۰ء ص:۶۰۔ (۲) سوانح علمائے دیوبند، ص:۸۸۔
(۳) نقش دوام، ص:۲۴۷۔ (۴) علمائے دیوبند اور اردو ادب، ص:۱۱۔
(۵) تاریخ دارالعلوم، ج:۱،ص:۳۵۔ (۶) علمائے دیوبند اور اردو ادب، ص:۱۱-۱۲۔
(۷) سوانح قاسمی، ج:۱،ص:۲۶۷۔
(۸) علمائے دیوبند اور اردو ادب، ص:۲۰-۲۱ و چند مشاہیر، ص:۳۱۔
(۹) دارالعلوم دیوبند۔ ادبی شناخت نامہ، ج:۱،ص:۵۲۔
(۱۰) علمائے دیوبند اور اردو ادب، ص:۳۸۔ (۱۱) ایضاً۔ (۱۲) چند مشاہیر، ص:۵۲۔
(۱۳) اسیران مالٹا، ص:۱۰۔ (۱۴) شیخ الہند حیات اور کارنامے۔
(۱۵) علمائے دیوبند اور اردو ادب، ص:۵۰-۵۱۔ (۱۶) ندائے شاہی نعت نبی نمبر، ص:۱۹۰۔
(۱۷) کاروان رفتہ، ص:۲۵۔ (۱۸) نقش دوام، ص:۷۰۔

(۱۹) علمائے دیوبنداور اردو ادب، ص:۴۷۔
(۲۰) نقش دوام، ص:۲۴۸۔
(۲۱) خانوادہ شاہی، ص:۱۹۔
(۲۲) علمائے دیوبنداور اردو ادب، ص:۸۰۔
(۲۳) چند مشاہیر، ص:۵۸۔
(۲۴) اشاعت اسلام، ج:۱،ص:۱۷۔
(۲۵) چند مشاہیر، ص:۶۹۔
(۲۶) نقش دوام، ص:۱۱۰۔
(۲۷) وہ کوہ کن کی بات، ص:۲۳۰۔
(۲۸) علمائے دیوبنداور اردو ادب، ص:۱۵۵۔
(۲۹) مسودہ انتخاب کلیات علمائے دیوبند و نسیم سحر مجموعہ کلام۔
(۳۰) مسودہ انتخاب کلیات علمائے دیوبند و نسیم سحر مجموعہ کلام۔
(۳۱) ایضاً۔ (۳۲) ایضاً۔
(۳۳) چند مشاہیر، ص:۲۷۔
(۳۴) ہفت روزہ اشاعت حق، ص:۲۷۔
(۳۵) چند مشاہیر، ص:۸۰۔
(۳۶) دارالعلوم دیوبند-ادبی شناخت نامہ، ص:۱۰۱۔
(۳۷) چند نامور، ص:۱۰۰-۱۰۲۔
(۳۸) جانے پہچانے لوگ، ص:۳۱۔
(۳۹) کاروان رفتہ، ص:۸۱۔
(۴۰) نقش دوام، ص:۶۷۔
(۴۱) کاروان رفتہ، ص:۱۶۲۔
(۴۲) چند مشاہیر، ص:۶۵۔
(۴۳) ہزار سال پہلے، ص:۱۲۔
(۴۴) مناظر گیلانی، ص:۶۵۔
(۴۵) الفرقان افادات گیلانی نمبر ۱۹۵۷ء ۔
(۴۶) حیات گیلانی، ص:۲۰۱۔
(۴۷) مقالات احسانی، ص:۱۳۔
(۴۸) مناظر گیلانی، ص:۶۶۔
(۴۹) وفیات ماجدی، ص:۷۷۔
(۵۰) مناظر گیلانی، ص:۶۸۔
(۵۱) دارالعلوم دیوبند-ادبی شناخت نامہ، ص:۴۷۔
(۵۲) چند نامور، ص:۵۰-۵۱۔
(۵۳) میرے عہد کے لوگ، ص:۱۵۰۔
(۵۴) علمائے دیوبنداور اردو ادب، ص:۱۴۰۔
(۵۵) دارالعلوم دیوبند-ادبی شناخت نامہ، ص:۱۳۱۔
(۵۶) ایضاً۔
(۵۷) شناسہ، ص:۱۲-۱۵۔
(۵۸) چند نامور، ص:۱۱۵۔
(۵۹) میرے عہد کے لوگ، ص:۱۲۹۔
(۶۰) دارالعلوم دیوبند-ادبی شناخت نامہ، ص:۹۷۔

# ہندوستان میں اقلیتوں کی داستان الم

از: محمد نعمان انور قاسمی
متعلّم جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اس وقت ہمارے ہندوستان میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے اوپر جو مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اس سے ہر شخص واقف ہے، ہمارے ملک کو آزاد ہوئے تقریباً باسٹھ (۶۲) سال ہوئے مگر آج بھی مسلمانوں کو آزادی کی فضاء میں سانس لینا مشکل ہورہا ہے، مسلمانوں کو آزادی کے بعد جتنے مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوا اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا آزادی کی لڑائی میں ملک کے دیگر طبقوں سے زیادہ مسلمانوں نے اپنے جان ومال کی قربانی پیش کی۔ علمائے کرام نے انگریزوں کے خلاف بے شمار تحریکیں چلائیں۔ ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ نے سب سے پہلے جہاد کا فتویٰ دے کر انگریزوں کے خلاف پہل کی، ریشمی رومال تحریک بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ قیام دارالعلوم دیوبند اسی مقصد کے تحت ہوا تھا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کیا جائے جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی نے کہا تھا کہ اس مدرسہ کے قیام کا اصل مقصد اس ملک کو آزادی دلانا ہے لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے جس قلعہ سے آزادی کی صدا بلند ہوئی ہو اس کے اوپر دہشت گردی کا الزام تھوپا جائے اور اس کے پتلے نظر آتش کئے جائیں، یہ بات کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کیلئے تکلیف دہ اور دل آزاری کا سبب ہے، آج بھی یہ مسلم ادارے ملکی پیمانے پر ایسے افراد پیدا کررہے ہیں جو قوم وملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور ملک کے استحکام کیلئے اپنی پوری توانائیاں صرف کررہے ہیں اس کے باوجود مسلمانوں کیلئے اس ملک کی زمین کو تنگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے ہندوستان کی فرقہ پرست طاقتوں نے بم دھماکہ کرائے ان بم دھماکوں میں انڈین مجاہدین جیسی فرضی تنظیم کا نام دے کر مسلم نوجوانوں کو پھنسانے کی کوشش کی گئی اور سیکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا اور انہیں طرح طرح

کی ذہنی اور جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا جاتا رہا مگر تفتیشی ایجنسیوں نے بم دھماکہ کی جب تحقیقات کی تو پتا چلا کہ ان بم دھماکوں کے پیچھے سنگھ پریوار کا ہاتھ ہے۔ لائق ستائش ہیں اے. ٹی. ایس. (اینٹی ٹیررسٹ اسکوارڈ) افسر ہیمنت کرکرے جیسے فرض شناس ایماندار افسر کہ انھوں نے حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔ سادھوی پرگیا سنگھ ٹھاکر، کرنل پروہت اور دیانند پانڈے جیسے شاطر دماغ لوگ سامنے آئے اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ دہشت گردی کا تعلق کسی خاص مذہب سے نہیں ہوتا بلکہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں، لیکن اس جانباز مرد آہن اور ایماندار افسر کو ایک منظّم منصوبہ بند سازش کے تحت بم دھماکے میں ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا گیا، کیونکہ اس میں کچھ ایسے لوگوں کے نام بھی آنے والے تھے جو پارلیمنٹ کے اندر بیٹھ کر یہ کھیل کھیل رہے تھے۔

پھر اس سے کچھ دن پہلے دہلی کے بٹلہ ہاؤس اوکھلا میں خلیل اللہ مسجد کے پاس مکان نمبر L-18 میں اعظم گڑھ کے دو ہونہار ساجد اور عاطف نامی دو طالب علموں کو فرضی انکاؤنٹر میں شہید کردیا گیا، جو جامعہ ملیہ میں بی ٹیک انجینئرنگ کا کورس کررہے تھے۔

گجرات فسادات سے آپ بخوبی واقف ہیں جہاں ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور کتنی ماؤں بہنوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور کتنی عورتیں بیوہ ہوگئیں اور کتنے بچے یتیم ہوگئے اسی کے بعد ناناوتی کمیشن قائم کیا گیا، چنانچہ اس کمیشن نے بلا تحقیق اس قاتل، دہشت گرد اور خونی کو کلین چٹ دے دیا اسی طرح میرٹھ کے ملیانا اور مرادآباد کے ہاشم پورہ میں بے شمار مسلمانوں کا ناحق خون بہایا گیا، آزادی کے بعد اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد بھی مسلمان مجبوری ولاچاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، یہ سب اسی لئے کیا جارہا ہے کہ تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو معاشی و تعلیمی اعتبار سے کبھی اپنے پیر پر کھڑا نہ ہونے دیا جائے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے مرکزی وزیر تعلیم نے یہ بیان جاری کیا تھا کہ مسلمان جامعہ ملیہ کو اپنا اقلیتی ادارہ سمجھنا بھول جائیں حالانکہ جامعہ ملیہ ایک خالص اقلیتی یونیورسٹی ہے اس کا قیام مولانا محمود حسن اور ڈاکٹر مختار انصاری اور ان جیسے دیگر مسلم قائدین نے ۱۹۱۹ء کے آس پاس کیا تھا، یہ مسلم دشمنی کی ایک کھلی ہوئی مثال ہے۔ ابھی کچھ دنوں سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی بات زیر بحث ہے مرکزی مدرسہ بورڈ کے حوالہ سے حکومت کی نیت صاف معلوم نہیں ہوتی واقعی اگر حکومت مسلمانوں کو تئیں بڑی مخلص اور نیک ارادہ رکھتی ہے تو جامعہ ملیہ کے اقلیتی کردار کو ختم کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جہاں مسلمانوں کے ۹۵ فیصد بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں اس کی حکومت کو کوئی فکر نہیں ہے

کتنے بچے ایسے ہیں جو یونیورسٹیوں میں داخلہ کے خواہشمند ہیں انہیں داخلہ ملنا مشکل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے تعلیمی حق سے دست بردار ہوجاتے ہیں اور بہت سے غریب نادار بچوں کو غربت وافلاس کے بنیاد پر اپنا تعلیمی سفر منقطع کرنا پڑتا ہے اور بہت سے مسلم بچے تعلیم یافتہ ہیں اوران کے پاس ڈگریوں کا انبار ہے لیکن ان کو کوئی ملازمت نہیں مل پارہی ہے۔

تو کیا حکومت کو ان اداروں کے بارے میں زیادہ فکر کرنی چاہئے جہاں اتنے سارے بچے ہیں جہاں مسائل کا انبار ہے یا ان مدارس کی جہاں صرف ۴ فیصد بچے پڑھتے ہیں، اگر حکومت کو مسلمانوں سے اتنی ہمدردی ہے تو کچھ ایسی یونیورسٹیز، میڈیکل کالجز، انجینئرنگ کالجز اور آئی.آئی.ٹی. کے ادارے قائم کرے جہاں آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کو ریزرویشن ملے اوران تمام بنیادی ضروریات کھانے سے لے کر تعلیمی فیس تک کا بندوبست ہو اور عصری علوم کی تحصیل سے فارغ اقلیتوں کے طلبہ کو خصوصیت سے مناسب ملازمتوں کا بندوبست کرے۔

ان حالات سے نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ حکومت مسلمانوں کے تئیں مخلص نہیں ہے بلکہ حکومت کا مقصد مسلمانوں کو اقتصادی اور تعلیمی اعتبار سے پسماندگی کا شکار بنانا ہے تاکہ ہندوستانی مسلمان کبھی اپنے پیر پر نہ کھڑا ہوسکے اور دردر کی ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ جس ملک کی اتنی بڑی اقلیت کا جان ومال عزت وآبرو غیر محفوظ ہو اور انہیں ہمیشہ دبانے کی کوشش کی جاتی رہے وہ ملک کبھی اُبھر نہیں سکتا۔

آخر میں ہم مسلمانوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہم اسلام کے نام لیوا ہیں اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ سارے مسائل کا حل اللہ کی اتاری ہوئی کتاب میں ہے اس لئے ہمیں قرآن اور شریعت کے دائرے میں رہ کر تمام مسائل کا حل تلاش کرنا ہے، مسلمان اس دنیا پر سیکڑوں سال تک قیادت کرتے رہے لیکن جب کامیابی کی تلاش دین کے دائرے سے ہٹ کر ہوئی تو مسلمان ہر میدان میں پسپا اور ذلیل ہوگیا اور اس کو ہر جگہ مات ہوئی۔

اسی کے ساتھ ہم مسلمانوں کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے بالخصوص ملک وملت کے رہنماؤں کو اس معاملے میں خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

وما علینا الّا البلاغ